مِلّت کا فدائی
مرزا رفیق احمد

ملّت کا فدائی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی، المصلح موعود رضی اللہ عنہ

کے

دلچسپ، ایمان افروز واقعات کا اچھوتا انتخاب

مرتبہ

مرزا رفیق احمد

ناشر
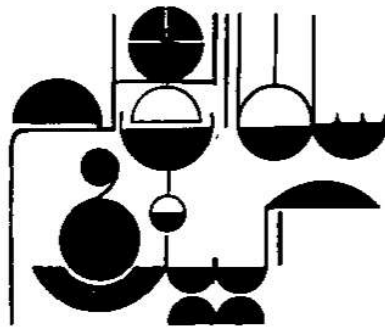
راولپنڈی

کتاب	ملت کا فدائی
تصنیف	مرزا رفیق احمد
ناشر	سلطان القلم اکیڈمی راولپنڈی
مطبع	فرخ پرنٹنگ پریس راولپنڈی
تعداد	ایک ہزار
طباعت	آفسٹ

قیمت دس روپے

پیاسی پود کے نام

چہرہ نما

پیش رس

۷ نومبر ۱۹۶۵ء کو ایک عجیب واقعہ پیش آیا جب ایک دنیا نے بیک وقت دو سورج غروب ہوتے دیکھے، ایک سورج جس نے اپنے طلوع سے سفر کا آغاز کیا اور جہانِ آب و گِل کو حرارت و توانائی دی لیکن نہ جانے کس کے غم میں شریک ہو کر دبی دبی آہوں اور سسکیوں کی بوجھل فضاؤں میں افق کے اس پار اتر گیا۔

دوسرا آفتاب آغازِ شباب سے مطلع روحانی پر طلوع ہوا اور نصف صدی سے زائد عرصہ تک اکناف عالم پر ضیا پاشی کرتا رہا، جس نے تاریک براعظم افریقہ کے طول و عرض کو جلا بخشی، یورپ کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر معرفت کی روشنی سے اس کا منہ دھلایا، نئی دنیا امریکہ پر چادرِ انوار تانی اور اپنے مولد و مسکن ایشیا کو روشنی کا مینار بنا دیا، آج وہ سورج دنیا سے اوجھل ہوا، آج کے دن وہ شخص اپنے مولائے حقیقی سے جا ملا جس نے اپنی حیاتِ مستعار کو ایسے تعمیری اور عظیم کاموں میں صرف کیا اور دینِ اسلام کو ایسی شاندار کامیابیوں سے ہمکنار کیا کہ ادیانِ باطلہ کو پسپائی اختیار کرتے ہی بنی۔

آج کے دن اس ہستی نے جان جان آفریں کے حوالے کی جس کی ولولہ انگیز قیادت اور مسیحی انفاس سے قوموں کی قوموں نے زندگی پائی، وہ پسر موعود جس نے مسیح موعود اور مہدیٔ آخر الزماںؑ کے گھر میں خدا کی بشارات کے تحت جنم لیا، وہ مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی جو

تیزی سے بڑھا اور مطلع عالم پر مہر تاباں کی طرح چمکنے لگا، دنیا کے کناروں تک اس کی شہرت جا پہنچی۔ اس نے بنی نوع انسان کو رشد و ہدایت کا آب حیات پلایا اور آخر میں اپنے لقتطہ نفسی کے آسمان کی طرف سفر اختیار کر گیا۔

آج نئی پود نہیں جانتی کہ ماضی قریب میں کتنی بڑی ہستی ان سے جدا ہوئی، جو قومیں اپنے ماضی اور اس کے شاندار کارناموں اور درخشندہ روایات کو فراموش کر دیتی ہیں وہ دنیا میں لاوارث ہو کے رہ جاتی ہیں[1]، اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں آئندہ نسل ایک موعود خلیفہ اور اس کے کارناموں سے بے بہرہ نہ ہو جائے میں نے اپنی سی کوشش کی ہے۔

یہ مختصر کتاب خلیفۃ المسیح الثانی کی علم و عمل سے بھرپور زندگی کی محض چند جھلکیاں ہی پیش کرتی ہے، آپ کی پوری زندگی کا احاطہ کرنے کے لئے بیسیوں جلدیں درکار ہیں ع "سفینہ چاہیئے اس بحر بے کراں کے لئے"۔

الحمد للہ کہ فضل عمر فاؤنڈیشن ایک جامع اور مبسوط سوانح حیات حضور رضی اللہ عنہ کی ترتیب دینے میں مصروف ہے۔

اس کتابچہ میں زیادہ تر ایسے گھریلو نوعیت کے واقعات درج کئے گئے ہیں جن کا اس خاکسار سے براہ راست تعلق رہا ہے یا پھر ان کو بہت قریب سے سنا گیا اور نزدیک سے مشاہدہ کیا گیا۔

جیسا کہ دوست احباب نے مسودہ پر نظر ڈالنے کے بعد اظہار خیال کیا ہے کہ ان واقعات کو پڑھ کر تشنگی باقی رہتی ہے، یہ بات درست ہے اور یہ بھی درست ہے کہ یہ تشنگی ضرور باقی رہنی چاہیئے تاکہ یہ سلسلہ جاری رہے۔ ابھی سینکڑوں واقعات ہیں کہ لوگوں کے سینوں میں دفن ہیں، یہ امانت نئی نسل کو جو اس کی اصل وارث ہے لوٹا دینی چاہیئے، جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں

---

[1] قرآن مجید میں یہ مضمون بڑی وضاحت سے بیان ہوا ہے

نے جس سلسلہ کا آغاز کیا ہے انشاء اللہ اسے جاری رکھا جائے گا۔ عدیم الفرصت اور معاشی جکڑ بندیوں میں پھنسے ہوئے اس دور کے انسان کو جو مختصر وقت مطالعہ کے لئے ملتا ہے اس میں یہ مختصر کتاب امید ہے کہ ازدیادِ ایمان کا باعث بنے گی۔

اللہ تعالیٰ نے قومی راہنماؤں، لیڈروں اور پیشواؤں کو خاص طور پر مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ وہ کچھ کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں، حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے یہ چند واقعات پیش کرتے ہوئے میرے ذہن میں یہ مقصد کارفرما رہا ہے کہ نئی پود پر یہ واضح کیا جائے کہ وہ ایک ایسی عظیم ہستی کی روایات کے وارث ہیں جس نے اپنے کسی فعل کو اپنے قول کے سامنے شرمندہ نہیں ہونے دیا، میں اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوسکا ہوں اس کا قارئین فیصلہ کریں گے اور مجھے ان کی قیمتی رائے کا انتظار رہے گا۔

اس کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں ان احباب کا شکریہ ادا کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود میری معاونت کے لئے وقت نکالا۔ سب سے پہلے جماعت کے مایۂ ناز وکیل محترم مجیب الرحمٰن صاحب ایڈووکیٹ سپریم کورٹ، راولپنڈی میرے شکریے کے مستحق ہیں، احباب جانتے ہیں کہ وہ کتنے مصروف انسان ہیں، بایں ہمہ انہوں نے بنظرِ عمیق کتاب کے مسودے کو پڑھا اور قیمتی مشوروں سے نوازا۔ محترم بشیر احمد رفیق سابق امام مسجد لندن نے بھی اس کام میں ہاتھ بٹایا۔ اسی طرح مکرم عبد الوہاب صاحب نائب امیر جماعت اسلام آباد اور محترم سید عبد الحئی صاحب پبلشر روزنامہ الفضل کا بہت ممنون ہوں۔

آخر میں اپنے معزز اور محترم قارئین سے درخواست کرتا ہوں کہ جس کے پاس

نے ساری زندگی اسلام اور احمدیت کی ایسی خدمت کی کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے، اس کے ایک غمزدہ بیٹے کو جو باپ اور ماں کے سایۂ عاطفت سے محروم ہے اپنی خاص دعاؤں میں یاد رکھیں۔

ربوہ
یکم دسمبر ۱۹۷۹ء

مرزا رفیق احمد

حضرت مسیح موعود علیہ السلام
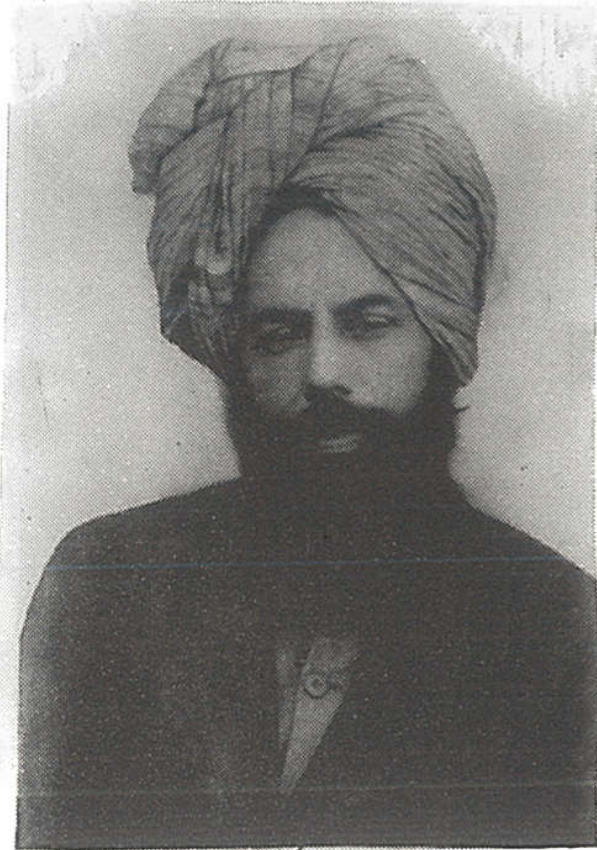
وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی

اک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ
ملت کے اس فدائی پہ رحمت خدا کرے

بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَالنَّــــــــــاصِرُ

ملّت کا فدائی

آج سے نوّے سال قبل ایک انتہائی برگزیدہ، انتہائی پاکباز، محبت الٰہی اور محبت رسولؐ سے سرشار دل خدا کی دہلیز پر سربسجود ہوا، جب ہم اس کی سرگوشیوں کو سننے کی کوشش کرتے ہیں تو اس پر سوز اور پر درد دل سے یہ آواز آتی ہے:

اے خدا! آج وعویداران محبّت رسول آسمان تلے نکبت و ادبار کا شکار ہو چکے ہیں، عیسائیت اور دہریت کا عفریت منہ کھولے تیزی سے ان کی طرف بڑھ رہا ہے، جہاں حرارت ایمانی سے ان کا دامن تہی ہے وہاں دنیاوی شوکت و عظمت بھی ان سے روٹھ چکی ہے۔

اے خدا! جن کے گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے شہنشاہوں کی کھوپڑیاں چٹخنی تھیں، جن کے جاہ و جلال سے قیصر و کسریٰ کو پسینہ آجاتا تھا اور جن کی حرارت ایمانی سے عقائد باطلہ کے بت پانی کی طرح بہہ جاتے تھے، آج وہ صفحۂ ہستی پر مظلوم ترین اور زمانہ کی دھتکاری ہوئی قوم ہے۔

؎ دیکھ سکتا ہی نہیں میں ضعفِ دینِ مصطفیٰ   مجھ کو کر اے میرے سلطاں کامیاب و کامگار
شور کیسا ہے ترے کوچے میں لے جلدی خبر   خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

اے میرے خدا مجھے کوئی ایسا نشان دے جو کہ میری وفات کے بعد بھی غلبہ اسلام اور احیائے اسلام کے اس مشن کو اکناف عالم میں پھیلائے اور دنیا کے کناروں تک اسلام کا ہی چرچا ہو۔

پس اس فرستادۂ خدا اور برگزیدہ انسان حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود مہدی معہود علیہ السلام کی دردناک تضرعات کو خدا تعالیٰ نے سنا اور ان الفاظ میں بشارت دی۔

"میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں، اس کے موافق جو تو نے مجھ سے مانگا سو میں نے تیری تضرعات کو سنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایۂ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیارپور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا، سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے، فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے، فتح وظفر کی کلید تجھے ملتی ہے، اے مظفر تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں، موت کے پنجے سے نجات پاویں اور جو قبروں میں دبے پڑے ہیں، باہر آجائیں اور تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں جو چاہتا ہوں، کرتا ہوں اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفیٰ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، ایک کھلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔ سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا، ایک زکی غلام تجھے ملے گا، وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے، تیری ہی ذریت ونسل سے ہوگا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا

مہمان آتا ہے، اس کا نام عمانوایل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے۔ وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کریگا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت اور غیوری نے اسے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے، وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا۔ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے)

دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ، فرزند دلبند گرامی ارجمند، مظہر الاول و الآخر، مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء، جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا سبب ہوگا، نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پہ ہوگا، وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی، تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائیگا۔

وَكَانَ اللّٰهُ أَمْرًا مَقْضِيًّا۔

(اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء)

وَكَانَ أَمْرًا مَقْضِيًّا ۔

ایک بے چین و بے قرار روح جو مسلمانانِ عالم کی مذہبی، دینی، اخلاقی سیاسی اور معاشی بدحالی اور پستی پر مرغِ بسمل کی طرح تڑپ رہی تھی، اس عظیم الشان بشارت کو پاکر طمانیت و سکون کے بھرپور جذبات سے کھل اٹھی۔ اسلام کا باغ پھر سے ہرا ہونے لگا، وہ بوٹے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ سو سال قبل باغِ احمد میں لگائے تھے اور کملانے لگے تھے، جری اللہ فی حلل الانبیاء کی دردناک دعاؤں سے پھر حسن و رعنائی سے بھرپور نظر آنے لگے اور پھر باغِ احمد میں بہار آگئی۔

حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودا
ناگہاں غیب سے اک چشمۂ اصفیٰ نکلا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پرشوکت پیشگوئی ہمہ گیر صفات کی حامل ہے۔ جہاں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی زبردست دلیل ہے، وہاں موعود بیٹے کی بے پناہ صلاحیتوں کے ذکر سے بھی پر ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس پیشگوئی کا ایک ایک لفظ بڑی صداقت و صفائی کے ساتھ آپکی ذات میں پورا ہوا۔ صرف ایک طائرانہ نگاہ ہی ڈالنے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا دل عشقِ الٰہی سے معمور اور محبتِ رسول اللہ سے لبریز۔ نہایت ذہین و فطین، بلند پایہ عالم، باعمل ولی، غیرتِ دینی سے سرشار شعلہ بیاں مقرر، صاحبِ طرز مصنف، باصلاحیت منتظم، عظیم مفکر و مدبر، ماضی سے آگاہ، مستقبل کی نبض پر مکمل دسترس رکھنے والا اور اس کے مطابق غیر معمولی منصوبہ بندی کا ماہر، پاکباز اور مطہر شخصیت کا مالک تھا۔ ایسے انسان کی زندگی کو مکمل طور پر احاطۂ قلم میں لانا بہت ہی دشوار کام ہے صرف چند واقعات نذرِ قارئین ہیں جو آپ کی حمیتِ دینی اور اخلاقِ حسنہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں نے اس کتاب میں یہ التزام رکھا ہے کہ جو آیات

اخلاقِ حسنہ سے متعلق ہیں پہلے وہ درج کی جائیں پھر اس کے ضمن میں مختصراً آپ کی زندگی کے چند واقعات درج کر دیئے جائیں تاکہ نئی نسل کو علم ہو کہ موعود خلیفہؓ کتنی ہمہ گیر صفات سے متصف تھا۔ آپکی زندگی کا ہر لمحہ قرآن کریم کی عملی تفسیر تھا، اور رسول اللہؐ جو نہ صرف خاتم الانبیاء اور رحمۃ اللعالمین تھے بلکہ اخلاقِ حسنہ کی ایک مکمل تصویر تھے اور مجسّم قرآن تھے، جنہیں دستِ قدرت نے خود تراشا تھا، زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا جو تشنہ رہ گیا ہو، بڑے سے بڑا مخالف اس انسانِ کامل کی طرف انگلی نہ اٹھا سکتا تھا۔ اس آفتابِ نور نے جو فاران کی چوٹیوں سے ضو فشانی کرتا ابھرا تھا تمام بنی نوع انسان کو چیلنج کیا کہ ہے کوئی جو میری بے داغ زندگی میں عیب جوئی کر سکے۔ آج چودہ سو سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے کوئی مائی کا لال اس چیلنج کو قبول نہیں کر سکا۔
مولائے حقیقی سے بلاوا آتا ہے تو اپنے متبعین کو جمع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میری زبان یا میرے ہاتھ سے نادانستہ طور پر کسی کو تکلیف پہنچی ہو تو آج آئے اور اس کا بدلہ اتار لے۔

صحابہ کرامؓ دم بخود ہیں اور یہ سوچ کر کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری وقت نہ ہو۔ دبی دبی سسکیاں نکل رہی ہیں، آنکھوں سے آنسو بے اختیار نکلے ہی چلے آتے ہیں کہ ایک صحابی اٹھے اور کہا
"یا رسول اللہ! ایک دفعہ جنگ کے میدان میں آپ کی کہنی مجھے لگی تھی، میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں"۔
یہ آواز صحابہ کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح پڑتی ہے غیظ و غضب میں ہاتھ کپکپا اٹھتے ہیں اور بے اختیار نیاموں کی طرف جاتے ہیں کہ اس گستاخ انسان کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

رسول اللہ فداہ ابی وامی صحابہ کے احساسات کو بھانپ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے کچھ نہ کہو، اور پھر اسے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں :

"آؤ! میرے قریب آؤ اور اپنا بدلہ اتار لو"۔

صحابی قریب ہو کر کہتے ہیں :

"یا رسول اللہ! اس وقت میری قمیض جسم پر نہ تھی"۔

آپؐ جسم کے اس حصہ سے کپڑا اٹھا کر کہتے ہیں

"لو اب بدلہ اتار لو"۔

صحابی بے اختیار آنسوؤں اور آہوں کے سیلاب میں دہکتے ہوئے ہونٹ محبت وعقیدت کے جذبہ کے ساتھ، اس جگہ رکھ دیتے ہیں اور اپنی چیخوں پر بمشکل قابو پا کر بھرائی ہوئی آواز میں کہتے ہیں۔

"یا رسول اللہ! کون بدبخت سوچ بھی سکتا ہے کہ بدلہ لے اور وہ بھی آپ سے جو مجسم رحمت مجسم اخلاق اور محسن انسانیت ہیں"۔

یہ تھے میرے اور آپ کے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور جس کا ذکر کرنے لگا ہوں وہ تھا اس آقا کا ادنیٰ غلام جس کی ہر سانس اس کے پیار و محبت کے گیت الاپتی تھی، پھر کیوں وہ اپنے محبوب ترین ہستی کی پیروی ہر شعبۂ حیات میں نہ کرتا۔

یہ موعود خلیفہ رضی اللہ تعالیٰ المجسم پرتو تھا، اپنے آقائے دو جہاں کے اخلاق فاضلہ کا۔

عفو

○

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۔

ترجمہ ۔ جو (متقی) خوشحالی (میں بھی) اور تنگدستی میں (بھی) (خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو دبانے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ محسنوں سے محبت کرتا ہے ۔ (آل عمران)

وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَۃِ اَنْ یُّؤْتُوْٓا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُھٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔ (النور)

ترجمہ : اور تم میں سے (دین و دنیا میں) فضیلت رکھنے والے اور کشائش رکھنے والے لوگ قسم نہ کھائیں کہ اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہ کریں گے اور چاہیئے کہ عفو سے کام لیں اور درگزر کریں ، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرے اور اللہ بہت معاف کرنے والا ہے (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے ۔

O

خدا تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ ایک بہترین معاشرہ کی بنیاد رکھی ہے۔ ایسا معاشرہ جہاں صحیح معنوں میں دکھی انسانیت سکھ کا سانس لے سکتی ہے، جہاں غریب اور امیر کی تمیز دولت سے نہیں، بلند و بالا محلات نما کوٹھیوں سے نہیں بلکہ تقویٰ سے کی جاتی ہے، جہاں محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں، جہاں بچے کے اس دنیا میں آنے کی پہلی چیخ سے لیکر اس دنیا سے رشتہ توڑنے کی آخری ہچکی تک ایسے خوبصورت فطرتی اصول وضع کئے گئے ہیں کہ اس سوسائٹی میں خواہ وہ نچلے طبقے سے تعلق رکھتا ہو یا اونچے حلقے سے کسی کو کسی سے شکوہ و گلہ نہیں رہتا۔ بلکہ دل ہمیشہ اس مثالی معاشرہ کے خالق کے لئے حمد و ثنا سے لبریز رہتا ہے۔ تمام حرکات و سکنات اور نشست و برخاست کے لئے راہنمائی کی گئی ہے

سنا ہے کہ کسی مسلم ملک کے ایک وفد نے چین کے مدبّر راہنما ماؤزے تنگ سے پوچھا تھا کہ آپ نے اس قدر جلد اور اس قدر مکمل معاشرہ کس طرح تشکیل دے دیا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ صرف قرآن پڑھتے ہیں اور ہم اس پر عمل کرتے ہیں۔

یہ ایک غیر متزلزل حقیقت ہے کہ اسلام پر اگر صحیح معنوں میں عمل کیا جائے تو آج مہذب دنیا کے دعویدار اس کو دیکھ کر شرمندگی سے گردنیں جھکا لیں۔ چونکہ یہ موقع اسلامی معاشرہ پر اظہارِ خیال کا نہیں بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی سوانح حیات کی چند جھلکیاں پیش کرنا مقصود ہے۔

حضورؓ نے جن سنہری اور روشن اصولوں کو اپنایا، اس میں بہت حد تک

اسلامی معاشرہ کی جھلکیاں نظر آئیں گی۔

دنیا میں کسی بھی معاشرے میں بے اطمینانی، عدم سکون اور فساد و انتشار کی وجہ بڑی حد تک حسد، بغض اور انتقام پر ہے۔ جہاں ان تینوں کا فقدان ہوگا وہاں معاشرہ خوشحال ہوگا، ان بنیادی برائیوں کو دور کرنے کیلئے اسلام نے عفو کا نسخہ تجویز کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ عفو و درگزر کرنے اور احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اب انہی زریں اصولوں کی روشنی میں ہم حضرت المصلح موعودؓ، فضل عمر کی زندگی کے اوراق الٹتے ہیں:

خادم اور مخدوم

۱۹۵۷ء کے موسم گرما کا ذکر ہے کہ حضور بیماری اور شدید گرمی کی وجہ سے ربوہ سے مری تشریف لے جا رہے تھے، میں اس قافلہ میں حضور کے ہمسفر تھا۔ جب راولپنڈی سے روانہ ہوئے اور پہاڑی علاقہ شروع ہوا تو موٹر کاریں جو کہ کافی پرانے ماڈل کی تھیں، پہاڑی کی چڑھائی برداشت نہ کر سکیں اور جگہ جگہ رکنا پڑا، کمزوری صحت کی بنا پر حضور کی طبیعت خراب ہونے لگی۔ آپ نے اس وقت محترم خادم حسین مرحوم کو جو اس وقت پرائیویٹ سیکرٹری تھے بلایا اور بڑے غصے سے فرمایا

"آپ کا فرض تھا کہ کاروں کو صحیح حالت میں رکھتے، اس غفلت کی بنا پر میں آپ کو فوری طور پر معطّل کرتا ہوں، آپ اسی وقت ربوہ روانہ ہو جائیں اور وہاں دفتر جا کر رپورٹ کریں۔"

ہم جب مری پہنچے تو سورج ڈھل رہا تھا، ہلکی ہلکی خنک ہوا چل رہی تھی اچانک بادل آ گئے اور پھوار پڑنے لگی جس سے موسم بے حد خوشگوار ہو گیا۔

گھر پہنچ کر میں حضرت امی جان کے کمرہ میں سامان وغیرہ ٹھیک کروا رہا تھا
کہ حضور کمرے میں داخل ہوئے اور زور سے فرمایا:

"رفیق"

میں نے عرض کی

"جی ابا جان"

کہنے لگے

"میرے کمرہ میں آؤ"

میں حضور کے پیچھے پیچھے آپ کے کمرہ میں پہنچا تو فرمانے لگے

"تم کو علم ہے کہ خادم حسین کو میں نے معطل کر دیا ہے اور ربوہ جانے کا حکم دیا ہے اور اب موسم ٹھنڈا ہو گیا ہے، وہ بے چارے کہیں سردی میں نمونیہ سے بیمار نہ ہو جائیں، تم جاؤ اور ان کو تلاش کرو اور یہ کوٹ بھی لے جاؤ اور ان کو پہنا دینا تاکہ سردی نہ لگ جائے اور ان سے کہو کہ" میں نے معاف کیا"

حضور نے جو کوٹ دیا وہ اس وقت بنوایا گیا تھا، جب آپ علاج کی غرض سے یورپ گئے تھے، خاص کشمیری اون کا بنا ہوا اور نہایت ہلکا اور گرم تھا جس کو حضور سردیوں میں ہمیشہ خود پہنتے تھے کیونکہ کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے بوجھل کپڑا نا قابل برداشت تھا۔ بہر حال مجھے علم تھا کہ خادم صاحب کہاں ہیں، وہ مری کے جنرل پوسٹ آفس میں تھے اور واپسی کے لئے بس کے منتظر تھے میں نے ان کو حضور کا پیغام دیا اور کوٹ بھی اور انہیں بتایا کہ حضور کا حکم ہے کہ میں آپ کو کوٹ پہنا کر لاؤں تاکہ سردی نہ لگے۔ حالانکہ تندرست آدمی کے لئے اس موسم کو صرف خوشگوار ہی کہا جا سکتا تھا۔

خادم صاحب نے کوٹ تو ادب و احترام کی وجہ سے نہ پہنا مگر حضور کے

پیار وشفقت کے بے پناہ جذبات سے متاثر ہوکر دھاڑیں مار کر رونے لگے، حضور کے وقتی غصہ اور ناراضگی پر طبیعت کا بے پناہ عفو غالب آچکا تھا۔

ثاقب اور مشاعرہ

کسی زمانہ میں محترم ثاقب زیروی صاحب مدیر ہفت روزہ "لاہور" انجمن کے دفاتر میں کام کرتے تھے۔ ان دنوں کسی رسالے غالباً "الرحمت" میں غزل خلافت کے متعلق آپ کا ایک مضمون شائع ہوا۔ حضورؓ جب سے منصب خلافت پر فائز ہوئے اپنی تقاریر اور خطبات میں بارہا قرآن کریم اور اقوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت کرتے رہتے تھے کہ خلیفہ معزول نہیں ہو سکتا۔

اس مضمون کی اشاعت سے قدرتاً حضور کو افسوس ہوا، آپ نے اظہار ناراضگی کے طور پر دفتر والوں کو حکم دیا کہ ثاقب صاحب کو ربوہ سے باہر جانے کی اجازت نہ دی جائے۔

اس دوران میں کراچی میں ایک کل پاکستان مشاعرہ کا انعقاد ہوا، وہاں سے آپ کو دعوت نامہ آیا اور ساتھ ہی سفر خرچ اور دیگر اخراجات کیلئے رقم بھی آئی (غالباً ۳۰۰ روپے) ثاقب صاحب نے دعوت قبول کر لی۔

مشاعرہ کی مقررہ تاریخ سے چند روز قبل آپ نے اپنے دفتر کو رخصت کی درخواست دی جو کہ نامنظور ہوگئی۔ آپ نے بہت زور لگایا کہ اس طرح میری ہی نہیں جماعت کی بھی بے عزتی ہوتی ہے کہ میں نے نہ صرف وعدہ خلافی کی بلکہ رقم بھی ہضم کر چکا ہوں، لیکن دفتر والوں نے کسی قیمت پر اجازت نہ دی۔

مشاعرہ سے ایک روز قبل ثاقب صاحب حضور کے پاس گئے اور ملاقات میں اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال دی۔

حضور نے پہرہ دار کو بلایا اور فرمایا کہ پرائیویٹ سیکرٹری کو بلاؤ۔ یہ کہہ کر آپ اندر چلے گئے۔ کچھ دیر بعد آپ باہر تشریف لائے، اتنے میں پرائیویٹ سیکرٹری آ چکے تھے حضورؓ نے انہیں مخاطب ہو کر فرمایا:

"ثاقبؔ صاحب کو کل ہر صورت میں کراچی پہنچانا ہے کیونکہ انہوں نے ایک مشاعرہ میں شرکت کرنی ہے جس کا یہ ان سے وعدہ کر چکے ہیں۔ آپ اس وقت موٹر کا انتظام کریں جو ان کو لاہور پہنچا آئے۔"

ثاقبؔ صاحب نے کہا

"اب کراچی پہنچنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں سوائے ہوائی جہاز کے"

فرمایا

"موٹر آپ کو لاہور چھوڑ آئے گی اور یہ پانچ سو روپے رکھ لیں کیونکہ ہوائی جہاز کا کرایہ زیادہ ہوتا ہے"۔

عفو کا دریا ہے جس کی روانی کے آگے بڑی سے بڑی خطا خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتی ہے۔

○

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی
نماز کی امامت کر رہے
ہیں۔ مقتدیوں میں
حضرت میر محمد اسحٰق نمایاں ہیں

جلسہ دہلی ۱۹۴۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اپنے مصلح موعود ہونے کا اعلان فرما رہے ہیں

جماعت کی آمدنی

محترم نواب مسعود احمد خان صاحب نے حضور کو جابہ کے قریب زمین دی تھی، آپ نے وہ جگہ دیکھی اور پسند آ گئی، ایک تو گرمی میں یہ مقام ربوہ کی نسبت ٹھنڈا تھا، دوسرے ربوہ سے فاصلہ بھی زیادہ نہ تھا۔ حضور کو اطمینان تھا کہ جب چاہوں گا صرف چند گھنٹوں کی مسافت کر کے مرکز آ جایا کروں گا، وہاں آپ نے مکان تعمیر کیا۔

۱۹۵۸ء کا ذکر ہے جب آپ جابہ میں قیام فرما تھے اور مکرم برادر غلام محمد صاحب اختر حضور کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے، اس دوران سندھ کی زمینوں سے (جو انجمن کی تھیں) اطلاع آئی کہ اس سال فصل اچھی نہیں ہوئی جس کی وجہ سے جماعت کی آمد پر کافی اثر پڑ سکتا تھا۔ حضور برداشت نہ کر سکتے تھے کہ کسی کی سستی یا عدم توجہ کے باعث جماعت کی آمدن میں کمی واقع ہو۔ ان دنوں مکرم برادرم مشتاق احمد صاحب باجوہ وکیل زراعت تھے، جب یہ اطلاع حضورؓ کو پہنچی تو پریشان ہوئے اور گھر کے پچھلے برآمدے میں ٹہلنا شروع کیا۔ برآمدے کے ساتھ جو کمرہ تھا وہاں پر میری بڑی ہمشیرہ امۃ الباسط کھڑی ہوئی تھیں اور میں حضور کے غصہ کی وجہ سے دبک کر اسی کمرہ میں بیٹھا ہوا تھا، اچانک آپ نے پہریدار کو آواز دی کہ اختر صاحب کو بلاؤ۔ جب اختر صاحب آ گئے تو فرمایا کہ ابھی یہ تار لکھو:

تار کا مضمون ایسا تھا جو کہ شدید غصہ اور ناراضگی کا اظہار کرتا تھا۔ اختر صاحب چلے گئے اور حضور بدستور برآمدے میں ٹہلتے رہے، تھوڑی دیر بعد آپ نے پھر پہریدار کو بلایا کہ اختر صاحب کو کہیں فوراً آ جائیں۔

جب اختر صاحب آگئے تو فرمایا کہ تار بھیج دیا تو اختر صاحب گھبرا گئے اور کہا کہ حضور بس آدمی جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا اسے روک دو، میں نے وہ تار جلدی میں لکھوا دیا تھا۔

بہرحال آپ نے دوسرا تار بھجوایا اور ناراضگی والا تار روک دیا۔ سیدنا حضرت مسیح موعود کا الہام کس شان و شوکت سے پورا ہوا کہ وہ دل کا حلیم ہوگا نہ کسی کے خلاف غصہ، نہ کینہ اور نہ ہی انتقام۔

مولانا ظفر علی خان

مولانا ظفر علی خان مرحوم اپنے زمانے کے نامور صحافی اور مسلمانوں کے ایک طبقہ کے مانے ہوئے لیڈر تھے۔ روزنامہ زمیندار کے ایڈیٹر اور مالک تھے، ادبی و سیاسی سرگرمیوں کے علاوہ احمدیت کی مخالفت آپ کی زندگی کا ایک بڑا مشن تھا اور یہ مخالفت آپ نے اس شدومد سے کی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمیندار محض اس کام کے لئے وقف ہے۔ مسلمانوں کو یہ یقین دلانے میں پورا زور صرف کر دیا کہ اسلام اور احمدیت دو مختلف، بنیادی نظریات ہیں۔ آپ بسا اوقات جوش خطابت اور زور تحریر میں حضور رضؓ کی ذات گرامی پر بھی بڑے رکیک حملے کر جاتے تھے۔

عمر کے آخری حصہ میں مولانا ظفر علی خان بہت بیمار ہوگئے، فالج کا شدید حملہ تھا۔ ۱۹۵۶ء میں حضرت اقدس بھی مری گئے ہوئے تھے اور مولانا بھی وہیں قیام رکھتے تھے، حضور کو جب علم ہوا تو آپ نے صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب اور حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب رضؓ اور خاکسار کو بھیجا کہ ان کی صحت کا پوچھ آئیں۔ ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد اور ڈاکٹر حشمت اللہ خان نے ڈاکٹری رپورٹ

پیش کی۔ حضور نے فوری طور پر کچھ رقم علاج کے لئے بھجوائی اور کچھ دوائیاں وغیرہ ارسال کیں اور تاکید کی کہ جب تک وہ مری میں ہیں باقاعدہ ان کی صحت کے بارے میں اطلاع دی جائے۔

حضورؓ جب تک مری میں رہے ہر روز ان کا حال دریافت کرتے رہے اور علاج کے سلسلہ میں ان کی مالی اعانت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ لوگ اپنے بھائیوں کے قصور معاف کر کے لاف زنی کرتے ہیں اور جتاتے ہیں، مگر عفو کے جلوے دیکھیئے کہ ایک قوم کا لیڈر جس نے عمر بھر آپ کی مخالفت اور دشمنی کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنائے رکھا اور اس کا قلم عمر بھر آپ کے خلاف زہر اگلتا رہا، جب موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہوتا ہے اور کوئی اس کا پرسانِ حال نہیں ہوتا تو یہی ہستی جو عمر بھر اس کے ستم کا نشانہ بنتی رہی، عفو و درگزر کا بے مثال مظاہرہ کر کے اپنے دکھوں کو بھول کر دشمن کو سینے سے لگا لیتا ہے۔

خلیفہ شجاع الدین

۱۹۵۱ء یا ۱۹۵۲ء کا ذکر ہے کہ محترم خلیفہ شجاع الدین پنجاب اسمبلی کی سپیکر شپ کے امیدوار تھے، اس سلسلہ میں آپ ربوہ آئے اور چونکہ حضرت امی جان (سیدہ اُمّ ناصر رضی اللہ عنہا) کی ان سے قریبی رشتہ داری بھی تھی تو سیدھے آپ کو آ کر پیغام بھجوایا کہ میں نے حضرت صاحب سے ملنا ہے مجھے وقت لے دیں۔

امی جان نے دینی غیرت کی وجہ سے جواب دیا

”یوں تو آپ میرے خاوند کو گالیاں دیتے ہیں مگر جب کام ہوتا ہے تو سفارش کروانے آ جاتے ہیں۔ میں نہ صرف یہ کہ پیغام نہ دوں گی بلکہ آپ سے ملنے کی بھی روادار نہیں ہوں۔“

خلیفہ شجاع الدین صاحب، مایوس ہو کر سید سے دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں گئے اور وہاں سے کوشش کی۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد حضور امّی جان کے ہاں تشریف لائے اور کہنے لگے۔

"تمہیں معلوم ہے کہ خلیفہ شجاع الدین صاحب آئے ہوئے ہیں، وہ کھانا میرے ساتھ کھائیں گے۔ اکرام ضیف کے طور پر مزید ایک دو ڈش تیار کر دو"

امی جان نے کہا

"مجھے معلوم ہے کہ وہ آئے ہیں مگر میں نے انہیں جواب دے دیا ہے"

اس پر حضور نے فرمایا

تم نے تو اپنی غیرت کا اظہار کر دیا ہے مگر اب وہ میرے مہمان ہیں۔ اور رسول اللہ نے مہمان کی بڑی عزت رکھی ہے۔ وہ گالیاں دے کر اپنے اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں، میں نے سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر چل کر اپنے اخلاق کا مظاہرہ کرنا ہے۔"

دشمن آپ کے پاس آیا ہے جو پیٹھ پیچھے آپ کو گالیاں دیتا ہے مگر اس پیکرِ عفو کو تو دیکھو جو ہر وقت دشمنوں کو معافی دینے کے لئے تیار رہتا ہے، بعض کو معافی مانگنے کی نوبت تک نہیں آتی کہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ بعض معافی مانگنے آتے ہیں تو سینہ صافی سے لپٹائے جاتے ہیں۔

حضرت بڑی پھوپھی جان نواب مبارکہ بیگم نے چند اشعار میں کمال خوبصورتی سے آپکی تصویر اتاری ہے:

دشمنوں کے تیر چھاتی پر لئے مردانہ وار — پشت پر ڈستے رہے ہر وقت مارِ آستیں
ایسی باتیں جن سے پھٹ جاتا ہے پتھر کا جگر — صبر سے سنتا رہا ماتھے پہ بل آیا نہیں

رسول اللہ کے اخلاق حسنہ کا مکمل عکس اور عکس کبھی اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا، ماضی کے دھندلکوں میں جب ہم عفو کی نہایت شاندار بے مثل روایات تلاش کرتے ہیں تو ہمیں صرف ایک شبیہ نظر آتی ہے وہ ہے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

مکہ فتح ہوتا ہے، کفار جنہوں نے آپ کی مکی زندگی میں ایسے ایسے مظالم ڈھائے کہ خانوادہ انبیاء میں اس کی نظیر نہیں ملتی، وہ شکست اور مغلوبیت کے دن اپنی جان بچانے کی کوشش میں چھپتے پھرتے ہیں مگر یہ عفو کا پیکر رحمۃ للعالمین اعلان کرتا ہے:

لا تثریب علیکم الیوم

آج کے دن عام معافی ہے، کسی سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی، انتقام تو در کنار سرزنش بھی نہیں کی جائے گی۔ ہندہ جس نے آپ کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کچا کلیجہ چبا کر کھایا تھا اور بدترین دشمنی کا ثبوت دیا تھا، اس چشمہ عفو سے فیض یاب ہوتی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بھی اسوۂ رسول کے رنگ میں رنگین تھے آپ کا دل شیشہ کی طرح صاف و شفاف تھا بغض، حسد، کینہ اور غصہ سے کلیتہً پاک تھا۔

○

آپ فرماتے ہیں:

جہاں حسد کا گزر رہے نہ دخل بد بینی ہے | ہے ایسے ملک کا وارث بنا دیا مجھکو
مرے تو دل میں تھا بڑھ کر نثار ہو جاؤں | پر اس کے تیر نگاہ نے ڈرا دیا مجھکو

سر میں نخوت نہ ہو آنکھوں میں نہ ہو برقِ غضب　　دل میں کینہ نہ ہو لب پر کبھی دشنام نہ ہو

میں اپنے پیاروں کی نسبت　　ہرگز نہ کروں گا پسند کبھی
وہ چھوٹے درجے پہ راضی ہوں　　اور ان کی نگاہ رہے نیچی

وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر　　شیروں کی طرح غراتے ہیں
ادنیٰ سا قصور اگر دیکھیں　　تو منہ میں کف بھر لاتے ہیں

امام مسجد لندن کی بے باکیاں

ایک اور عظیم الشان واقعہ سنیئے جسے اگرچہ عفو کے ضمن ہی میں جگہ دی گئی ہے لیکن اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ عفو سے اونچا مقام رکھتا ہے: اسلام میں بڑائی اور عظمت کی بنیاد موروثی اور خاندانی نہیں اور نہ ہی کسی شخص کو کھڑا کر کے اس کے سر پر عزت کا تاج سجایا جا سکتا ہے، یوں تو کسی قوم کا سربراہ ہونا ہی سب سے بڑا اعزاز سمجھا جاتا ہے جہاں روح عقیدت بھی کارفرما ہو وہاں پیشوائیت ایک عام انسان کو مافوق البشر بنا دیتی ہے اور اسے وہ تقدس حاصل ہو جاتا ہے کہ اس کے اہل وعیال بھی مادراء ہستیاں شمار ہوتی ہیں، ہر قسم کی تنقید سے بالا اور ہر نوع کے احتساب سے بری الذمہ۔

جماعت احمدیہ کے خلیفہ دوم کے لئے بانی جماعت احمدیہ کا پسر ہونا ہی کیا کم تھا کہ دستِ قدرت نے تاجِ خلافت بھی ان کے سر پہ سجا دیا اور اس پر مستزاد یہ کہ مصلح موعود کے عظیم منصب پر سرفراز کئے گئے، لاکھوں آدمی ان کے اشارۂ ابرو پر کٹ مرنے کو اپنی ابدی نجات تصور کرتے تھے، ایک زمانہ آپ کا مداح تھا اور مشاہیرِ عالم میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ ایسا شخص کہ عظمتُ فضیلت اس کے آگے دست بستہ نظر آئیں، احترام واکرام اس کی غلامی پر فخر کریں۔
انسان کا دماغ خراب کرنے کے لئے یہ سامان کافی ہیں اور تاریخِ عالم گواہ ہے کہ ان اوصاف واعزازات کے حامل انسانوں نے خود کو انسانوں سے بالا ہستی گردانا اور دیوتاؤں کی اولاد کہلائے اور مطلق العنان بن گئے، لیکن اسلام کی نشاۃِ اولیٰ اور نشاۃِ ثانیہ دو ایسے ادوار ہیں کہ یہاں بڑائی اور عظمت کی تعریف یکسر بدل گئی، یہاں قوم کی سیادت وقیادت کی شرط قوم کی خدمت اور خدمت کی عظمت ٹھہری۔ ذیل کا واقعہ اسی فضا میں پیش آیا۔
محترم مولوی احمد خان صاحب سابق امام مسجد لندن ایک نہایت مخلص بے باک نڈر اور ایک لحاظ سے بے لحاظ مشنری تھے، ان کی شخصیت میں موقع شناسی اور مصلحت کوشی نام کی کوئی شے موجود نہ تھی، ۱۹۵۵ء میں حضور نے دورۂ یورپ کا قصد کیا، پروگرام، تبلیغ کے علاوہ معائنہ صحت وعلاج بھی تھا۔ حضور کراچی سے براہ راست سوئٹزرلینڈ بغرض علاج تشریف لے گئے، اکثر رفقاء لندن رک گئے۔ ان دنوں محترم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ امام مسجد لندن تھے لیکن انہیں مرکز میں واپس آنا پڑا اور ان کے نائب کے طور پر مولوی احمد خان صاحب فرائض انجام دے رہے تھے، باجوہ صاحب کے چلے آنے سے خان صاحب موصوف امامت کے منصب پر فائز ہونے،

حضور کی لندن واپسی پر امام مسجد لندن کا باقاعدہ تقرر عمل میں آنا تھا اور مولود احمد خان صاحب کے امام بننے کے امکانات بھی واضح طور پر موجود تھے،

علاج و معالجہ سے فراغت ہوتی نظر آئی تو حضور نے مولود احمد خان صاحب کو ایک خط کے ذریعے رہائش کے انتظامات کرنے کی ہدایات دیں۔ خط ملتے ہی وہ انتظامات میں مصروف ہوگئے، اس سلسلہ میں صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر نے بھی ان کو مشورے دئیے خان صاحب موصوف کی افتادِ طبع آڑے آئی اور انہوں نے انہیں درخورِ اعتناء نہ سمجھا اور میاں صاحب سے استفسار کیا کہ وہ یہ مداخلت ذاتی حیثیت سے کر رہے ہیں یا وکیل التبشیر ہونے کی حیثیت سے، میاں صاحب نے واضح کیا کہ یہ سب کچھ محض ذاتی حیثیت سے ہے۔ مولود احمد خان صاحب نے میاں صاحب سے کہا کہ وہ اپنے مشورے اپنے پاس ہی رکھیں۔ میاں صاحب نے خاموشی اختیار کی۔

بات یہیں ختم نہ ہوئی، آگے جمعہ پڑتا تھا۔ خان صاحب خطبۂ جمعہ میں خوب برسے اور میاں صاحب کی ذات کو ہدفِ تنقید بنایا اور یہاں تک کہہ گئے کہ میاں صاحب نے اجارہ داری بنا رکھی ہے اور جماعت کو باپ کی گدی سمجھتے ہیں۔ اس تبصرہ سے احبابِ جماعت میں سخت اشتعال پھیل گیا۔ دراصل جماعت میں ایسی تنقید اور وہ بھی بر سرِ منبر کا کوئی تصور نہ تھا۔ احباب جمعہ کے احترام کے باعث زہر کے گھونٹ پی کر رہ گئے نوجوان طبقہ کے لئے یہ صورتِ حال قطعاً ناقابلِ برداشت تھی قریب تھا کہ نماز سے فراغت کے بعد خان صاحب کو گریبان سے پکڑ لیا جاتا لیکن بزرگوں کے بیچ بچاؤ کرنے سے یہ انتہائی کشیدہ ماحول مزید بگڑنے سے بچ گیا۔ حضور

کے نوٹس میں یہ باتیں لائی گئیں۔

حضور لندن تشریف لائے، آپ کے قیام وطعام کے سلسلہ میں جملہ انتظامات مولود احمد خان صاحب کے ہاتھ ہی میں تھے۔ گوشت کے بارے میں کئی بار شکایت پیدا ہوئی، آخر حضور کی حرم نے خان صاحب سے کہا کہ گوشت حضور کے مزاج کے مطابق نہیں ہوتا بہتر ہے کہ آپ خود خرید لایا کریں۔ خان صاحب اتنا سن کر برہم ہوگئے اور کہنے لگے

"میں نے زندگی تبلیغ کے لئے وقف کی ہے، آپ کا گوشت لانے کے لئے نہیں"۔

اس بات نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ کھانے پر جب حضور نے پھر ناقص گوشت کی شکائت تو آپ کی حرم نے صاف صاف بتا دیا کہ خان صاحب نے یہ جواب دیا ہے۔ اس پر حضور نے خاموشی اختیار کی اور کوئی تبصرہ نہ کیا۔

ایک دن حضور نے مولود احمد خان صاحب کو طلب کیا اور باتوں باتوں میں ان سے کہا۔

"خان صاحب، مجھے آپ کے بارے میں کچھ باتیں بتائی گئی ہیں۔ مجھے اس بات سے خوشی ہوئی ہے کہ جماعت میں آپ جیسے بے باک اور صاف گو آدمی موجود ہیں"۔

مولود احمد خان صاحب نے اس ریمارکس کو اپنے حق میں ایک گہری طنز خیال کرکے کچھ اپنی صفائی میں کہنا چاہا، اور معذرت خواہانہ لہجہ اختیار کیا اس پر حضور نے پھر ارشاد فرمایا

"میں نے طنزاً نہیں کہا۔ مجھے آپ کی جرأت اور بے باکی پر حقیقتاً خوشی ہے"۔

اس دوران میں حضور نے جماعت کے سرکردہ احباب سے مولود احمد خان صاحب کے امام مسجد لندن بنائے جانے کے بارے میں فرداً فرداً رائے طلب کی تو ہر شخص نے مخالفت کی اور مولود صاحب کے روّیہ پر افسوس کا اظہار کیا، اس سلسلہ میں جب محترم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی رائے لی گئی تو انہوں نے کہا

"حضور! لندن مشن کیلئے مولود صاحب موزوں آدمی نہیں، ان کی کوئی پرسنالٹی نہیں، ان کا لباس درست نہیں ہوتا"

باہمی مشورت کے بعد آپ نے مولود احمد خان صاحب کو بلایا اور انہیں اپنی جیب سے چالیس پونڈ دئے اور کہا

"اپنے لئے دو سوٹ خرید لائیے"

مولود صاحب بازار گئے اور سوٹ لے آئے، حضور نے فرمایا

"اسے پہن کر دکھاؤ"

مولود صاحب نے سوٹ پہنا تو حضور نے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو بلایا اور کہا

"چوہدری صاحب دیکھئے مولود صاحب اس سوٹ میں کتنے شاندار لگتے ہیں"۔

چوہدری صاحب نے اس بات کی تائید کی۔

حضورؓ نے تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد مولود احمد خان صاحب کو امام مسجد لندن مقرر فرمایا اور ایک مجلس میں تقریر پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا

"میں جانتا ہوں کہ مولود احمد صاحب نے کن حالات میں تعلیم حاصل کی ہے

اور ان کے والد نے کتنے مصائب برداشت کئے، وہ اگر چاہتے تو اپنے بیٹے کو کسی دنیاوی عہدے پر بھی سرفراز کر سکتے تھے لیکن انہوں نے دین کو دنیا پر مقدم کیا اور انہیں واقف زندگی بنایا، آج اگر میں انہیں امام مسجد لندن نہ بناتا تو خدا مجھ سے پوچھ سکتا تھا کہ تم نے ایک انسان کے جذبہ خدمت دین اور اس کی قربانی کا یہ صلہ دیا۔"

مولود احمد خان صاحب حضور کی زندگی تک اس منصب پر سرفراز رہے، محترم بشیر احمد رفیق سابق امام مسجد لندن جو اس واقعہ کے راوی ہیں بیان کرتے ہیں کہ آج بھی مولود احمد خان صاحب جو لندن میں مقیم ہیں جب اس واقعہ کو دہراتے ہیں تو ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں کہ اپنے خادموں کی گستاخیوں کا صلہ پے در پے عنایتوں اور بخششوں سے دینے والی وہ ہستی آج ہم میں نہیں ہے:

وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

اس واقعہ کو پڑھئے اور دیکھئے کہ اس عظیم ہستی نے اپنی انا اور اولاد کے وقار کو دوسرے بڑے آدمیوں کے برعکس مسئلہ نہیں بنایا۔

کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا

سلامِ عقیدت

پنڈت میلا رام وفا ایڈیٹر ویر بھارت دہلی

نیک بندوں سے کبھی خالی نہیں ہوتا جہاں
ابتدائے آفرینش سے ہے ایسا انتظام

آج بھی مرزا بشیر الدین احمد اسے ندیم
اس جہاں میں ایک ہیں نیکی مجسم لا کلام

موجزن سینے میں ہر دم اپنے بیگانے کا درد
اور خواہاں دیکھنے کے ہر کسی کو شاد کام

خلق کی خدمت میں حاجتمند کی امداد میں
امتیازِ ہندو و مسلم سے بالا تر مدام

سینکڑوں بیوائیں تقسیمِ وطن کے بعد بھی
دل کی گہرائی سے ہیں ان کی دعا گو صبح و شام

بیسیوں محتاج ہندو، درجنوں محتاج سکھ
سب وظیفے کھا رہے ہیں آج تک بالالتزام

قادیاں میں اور گرد و پیش کے دیہات میں
ہے زباں زد ان کے خیراتی شفا خانے کا نام

اور پیرو ان کے یعنی احمدی فرقے کے لوگ
گامزن رہتے ہیں راہِ حق پہ روز و شب تمام

آدمیت کا نمونہ ان کا ہے ایک ایک فرد
سربسر انسانیت کے پیکر ان کے خاص و عام

علم کی اخلاص کی اخلاق کی زندہ مثال
خوش مزاج و خوش خصال و خوش خیال و خوش کلام

آشتی و امن ہے ان کا اصولِ اولیں
اور سارے مذہبوں کے ہادیوں کا احترام

مسلک ان کا حافظِ شیراز کا یہ قول ہے
"با مسلماں اللہ اللہ، با برہمن رام رام"

سمجھو ہر شرنارتھی کو اپنا مہمانِ عزیز
ان کا ہے جزوِ عمل حضرت کا یہ زریں پیام

ان روایاتِ حسیں کا جو علم بردار ہے
پہنچے اس فرقہ کے رہبر کو عقیدت کا سلام

رشتہ داروں سے حسن سلوک اور غرباء کی دیکھ بھال

○

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ
وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى
الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ
اِذَا عٰهَدُوْا ج وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ
الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔

ترجمہ: تمہارا مشرق اور مغرب کی طرف منہ پھیرنا کوئی بڑی نیکی نہیں لیکن کامل
نیک وہ شخص ہے جو اللہ، روز آخرت، ملائکہ، (الہٰی) کتاب اور سب نبیوں
پر ایمان لایا اور اس (اللہ) کی محبت کی وجہ سے رشتہ داروں اور یتیموں اور
مسکینوں اور مسافر کو اور سوالیوں کو نیز غلاموں (کی آزادی) کے لئے (اپنا)
مال دیا اور قائم رکھا نماز کو اور زکوٰۃ کو ادا کیا اور اپنے عہد کو جب بھی (کوئی) عہد
کرلیں، پورا کرنے والے ہیں اور (خاص کر) تنگی اور اپنی بیماری میں اور جنگ
کے وقت برداشت سے کام لینے والے (کامل نیک) ہیں، یہی لوگ ہیں جو
(اپنے قول کے) سچے نکلے اور یہی لوگ کامل متقی ہیں۔ (البقرۃ)

اس آیت قرآنی میں بھی خدا تعالیٰ نے انتہائی پرکشش اور قابلِ تقلید معاشرہ کے لئے بڑے خوبصورت اصول وضع کئے ہیں۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھنے میں کوئی نیکی نہیں جب تک یہ نماز پڑھنے کے بعد تمہارا دل حقوق العباد کی طرف مائل نہ ہو۔ وہ حقوق العباد کیا ہیں ان کا اجمالاً تذکرہ بے جا نہ ہوگا۔

اسلام میں خدا تعالیٰ کی ذات مرکزی حیثیت رکھتی ہے کیوں کہ تمام نیکیاں، تمام محبتیں اور تمام عبادتیں اسی کی طرف لوٹ کر جاتی ہیں اور ہر عمل کائنات کے مالک کی خوشنودی کے لئے کیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میں کامل نیک وہ شخص ہے جو اللہ، آخرت، ملائکہ، کتاب اور نبیوں پر ایمان لایا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اپنی سوسائٹی میں انسان کے کیا فرائض ہیں:
وہ ہیں رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والوں کی مدد کرنا اور غلاموں کی آزادی کے لئے کوشش کرتے رہنا اور اگر مال کی ضرورت ہو تو روپیہ خرچ کرنے سے بھی گریز نہ کرنا۔

کسی پسماندہ قوم میں ہمیشہ دو طبقے ہوتے ہیں، بہت امیر، بہت غریب۔ غریبوں کی شق میں غریب رشتہ دار، یتیم، مساکین، مسافر، سوالی اور غلام آتے ہیں۔ اگر کسی سوسائٹی کو ان کے وجود سے خالی کر دیا جائے تو وہ معاشرہ غریب نہیں بلکہ خوشحال کہلائیگا۔ اسلام بہت بڑا چیلنج ہے دنیا کے ہر مفکر ریفارمر اور انقلابی مصلح کے لئے۔ کیا اس سے بہتر تعلیم کمیونزم، سوشلزم یا کوئی ازم دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں!

اس ضمن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے سوانح کی چند

جھلکیاں پیش خدمت ہیں جو صرف میرے علم میں ہیں ورنہ آپکی زندگی میں ہزاروں ایسے واقعات ہیں جو میری نظروں سے اوجھل رہے اور دوسرے بھی شاید نہ جانتے ہوں۔ آیئے دیکھیں مقام ارفع پر فائز انسان اسیروں کی رستگاری کے موجب کی زندگی کا ہر لمحہ اس مکمل تعلیم پر عمل پیرا ہے۔ جب حضرت مصلح موعودؓ اپنا مشن پورا کر کے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پر عظمت پیشگوئی کے مصداق بن کر اپنے نفسی نقطہ آسمان پر اٹھائے گئے تو کونسی آنکھ تھی جو اشکبار نہ ہوئی اور کون سا دل تھا جو خون کے آنسو نہیں بہا رہا تھا، سینے پر خنجر چل رہے تھے، نظروں سے حسرتیں ٹپکتی تھیں، صدمہ سے کمریں دہری ہو گئی تھیں، یہ کیفیت میری نہیں، میرے بہن بھائیوں کی نہیں، میرے رشتہ داروں کی نہیں بلکہ ہر شیدائی کی تھی۔

اس اندوہ گیں وقت میں بڑے بڑے بوڑھوں کو دھاڑیں مار کر روتے دیکھا گیا۔ دل کا کرب چہروں سے پھوٹا پڑتا تھا، عجیب بے قراری، بے چینی اور مرغ بسمل کی تڑپ تھی اور کیوں نہ ہوتی وہ تھا بھی تو روشنی کا مینار، ایثار و وفا کا پتلا، رحمت، قربت، فضل واحسان کا نشان، فتح وظفر کی کلید اسیروں کی رستگاری کا موجب۔

حضرت پھوپھی جان، حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

صرف کر ڈالیں خدا کی راہ میں سب طاقتیں — جان کی بازی لگا دی قول پہ ہارا نہیں

ارض ربوہ جس کی شاہد ہے وہ معمولی نہ تھا — خون فخر المسلمیں تھا، شیر ام المومنین

پوشیدہ نیکیاں

حضرت اقدس کی وفات کے بعد جب جائیداد کے سلسلہ میں ہم بھائیوں کی میٹنگ ہوئی اور وہ فہرست سامنے آئی جسے دیکھ کر ہم حیرت زدہ رہ گئے کیونکہ بیسیوں نہیں، سینکڑوں غریب رشتہ دار اور جماعت کے دوسرے غرباء تھے جن کو آپ خاموشی سے باقاعدہ ماہوار خرچ دیا کرتے تھے۔ آپ کی جائیداد سے ہزاروں نہیں لاکھوں کی آمد تھی مگر اس کا بیشتر حصہ چندہ جات اور غرباء کی امداد پر خرچ ہو جاتا تھا۔

انٹر کلاس

آپ اپنی بیویوں اور اولاد کو قلیل خرچ دیتے تھے اور یہ حکم تھا کہ اسی کے اندر رہ کر اخراجات کرو۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے آٹھویں جماعت کا امتحان دیا، چھٹیوں میں خیال آیا کہ اپنی دودھ شریک بہن امۃ الحئی کے ہاں چند دن ملتان میں گزار آؤں۔ میں نے حضور سے اس کی اجازت چاہی اور ساتھ ہی سفر خرچ بھی طلب کیا۔ آپ نے انٹر کلاس کا کرایہ بھیج دیا۔ اپنی تو جرأت نہ تھی، کہلا بھیجا کہ فرسٹ کلاس کا کرایہ چاہیئے۔ اس پر جواب آیا کہ تمہارے باپ نے تو کبھی فرسٹ کلاس میں سفر نہیں کیا اور تم فرسٹ میں جانے کی خواہش رکھتے ہو۔ اگر جانا ہے تو انٹر ہی میں جاؤ گے۔

پندرہ روپیہ ماہوار

میں نے ایک مرتبہ حضور سے عرض کی کہ میرے پاس گرم اچکن نہیں ہے

پیسے دیئے جائیں، آپ نے معمولی گرم کپڑا لے دیا۔ سلائی کے لئے رقم مانگی تو فرمایا کہ میں تمہیں جو جیب خرچ دیتا ہوں اس سے سلائی کراؤ، اور جیب خرچ کیا ملتا تھا، پندرہ روپے ماہوار۔

قادیان سے داغ ہجرت لئے ہوئے جب حضور لاہور پہنچے تو اس وقت اتنے وسیع خاندان کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی، سب کچھ قادیان میں رہ گیا تھا قریبی یا دور کے رشتہ دار سب تہی دست تھے۔ یہ بارِ گراں آپ نے اٹھایا اور اس وقت تک تمام خاندان اور دوسرے زیرِ کفالت افراد کا خرچ برداشت کرتے رہے جب تک خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے دوسرے ذرائع پیدا نہ کر دیئے۔

تین ہزار روپیہ

حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب نے مجھے سنایا کہ شادی کے بعد میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اپنے باپ پر بوجھ نہ بنوں گا۔ کہتے ہیں کہ میں چچا جان (حضرت اقدس) کے ہاں گیا اور کہا کہ میں نے اپنے دل میں عہد کیا ہے کہ کسی پر بوجھ نہ بنوں گا اس لئے آپ مجھے تین ہزار روپیہ قرض دے دیں، میں جب قابل ہو جاؤں گا، واپس کر دوں گا۔ کہتے ہیں کہ حضور نے بغیر حیل وحجت کے مجھے رقم دے دی، پھر خدا نے اتنی برکت ڈالی کہ میرا کاروبار غیر معمولی طور پر ترقی کرتا چلا گیا۔

غریبوں کا اس قدر خیال رکھتے تھے اور اس قدر شفقت و پیار تھا کہ ان احساسات کو الفاظ میں ڈھالنے کی استعداد مفقود پاتا ہوں اور اپنی بے مائیگی کا احساس ہوتا ہے۔ غریب مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا ہر وقت آپ کے دروازے ان کے لئے کھلے رہتے تھے، دن ہو یا رات، سردی کی برودت ہو یا گرمی کی تمازت ہر ضرورت مند کی مراد حسب استطاعت پوری کی جاتی تھی

سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ

حضرت مہر آپا نے فرمایا کہ ایک گرم اور حبس والی رات، گیارہ بجے دروازہ کھٹکا، ان دنوں بجلی ابھی ربوہ میں نہیں آئی تھی۔ حضورؓ لالٹین کی روشنی میں صحن میں لیٹے ہوئے کتاب پڑھ رہے تھے۔ حضور نے مجھے کہا کہ دیکھو کون ہے؟

میں نے دریافت کیا اور آکر حضور سے کہا

"ایک عورت ہے وہ کہتی ہے کہ میرے خاوند کو حضور نے دوائی دی تھی اس سے بہت افاقہ ہو گیا تھا، مگر اب طبیعت پھر خراب ہو گئی ہے، دوائی لینے آئی ہوں"۔

آپ نے فرمایا

"کمرہ میں جاؤ فلاں الماری کے فلاں خانے سے فلاں دوائی نکال لاؤ"

گرمی مجھے بہت محسوس ہوتی ہے اور یہ موسم میرے لئے ہمیشہ ناقابل برداشت رہا ہے، اپنی اس کمزوری کی بنا پر میں کہہ بیٹھی

"یہ کوئی وقت ہے، میں اسے کہتی ہوں کہ صبح آجائے اندر جا کر تو حبس سے میرا سانس نکل جائے گا"۔

اس پر حضور نے بڑے جلال سے فرمایا

"تم اس اعزاز کو جو خدا نے مجھے دیا ہے چھیننا چاہتی ہو! ایک غرض مند میرے پاس اپنی ضرورت پوری کرنے کیلئے آتا ہے، یہ خدا کی دی ہوئی عزت ہے کہ مجھے خدمت کا موقع ملتا ہے۔ اسے میں ضائع کر دوں تو قیامت کے دن خدا کو کیا شکل دکھاؤں گا، میں خود جاتا ہوں"

میں نے کہا

"آپ نہ جائیں، گرمی بہت ہے، میں چلی جاتی ہوں"

حضور نہ مانے اور خود اندر چلے گئے اور دوائی لے کر اسے دی اور ساتھ ہی اسے ہدائت کی کہ صبح آ کر اپنے خاوند کی خیریت کی خبر دے۔

اپنا دکھ بھول گئے

ایک دفعہ حضور کو نقرس کی تکلیف تھی، درد کی شدت کے باعث آپ بار بار پلنگ پر کروٹیں بدل رہے تھے، کبھی کبھی "اف اے خدا" کی آواز منہ سے نکل جاتی تھی، اتنے میں ملحقہ کمرہ سے اونچی اونچی آواز میں کسی کی باتوں کا شور اٹھا، آپ نے اپنی حرم کو آواز دے کر کہا

"تمہیں علم نہیں کہ میں بیمار ہوں، خوامخواہ شور مچایا ہوا ہے"

اس پر انہوں نے کہا

"ایک عورت آپ سے ملنا چاہتی ہے، میں اسے یہی کہہ رہی ہوں کہ آپ بیمار ہیں، پھر کسی وقت آنا، مگر وہ مان ہی نہیں رہی"

آپ نے فرمایا

"کوئی ضروری کام ہوگا، اسے اندر آنے دو"

سبحان اللہ! ایک طرف اس قدر جسمانی تکلیف اور دوسری طرف دوسروں کا

دکھ درد اور ضرورت کا خیال کہ اپنی تکلیف یاد ہی نہیں رہی۔

قالین

قادیان میں حضور ایک دفعہ اپنی ایک حرم کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپکی زوجہ مطہرہ نے اپنے کمرے میں نیا قالین بچھایا ہوا تھا۔ اتنے میں کسی گاؤں سے ایک عورت آئی، تہذیب نو سے نا آشنا، اپنی گندی اور کیچڑ میں لت پت جوتی لے کر قالین کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آپ کے قریب آگئی، آپ نے اپنی حرم کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھے۔ اس عورت کے چلے جانے کے بعد کہنے لگے:
"اس قالین کو ابھی اٹھوا دو، میں اسے اپنے اور اپنی جماعت کے درمیان حائل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

تخت

ایک دفعہ قادیان میں کسی دوست نے آپ کو دعوت میں بلایا، کھانے کے دوران بارش ہونے لگی، جس کی وجہ کمروں میں فرش پر دسترخوان بچھانے گئے جگہ تنگ ہونے کے باعث آپ کے لئے تخت پر دسترخوان سجایا گیا، جب دوست بیٹھ گئے تو میزبان نے حضور سے درخواست کی کہ آپ تخت پر تشریف رکھیں، آپ نے یہ کہہ کر تخت پر بیٹھنے سے انکار کر دیا کہ "دوسرے لوگ زمین پر بیٹھیں، ایسا نہ ہوگا۔"

اسیروں کا رستگار

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام کردہ اسیروں کی رستگاری کا موجب

ہوگا۔ ظاہری اور باطنی طور پر آپ کی ذات میں نہائت شان و شوکت سے پورا ہوا۔ آپ کے قائم کردہ تبلیغی مشنوں کے باعث افریقہ کے طول و عرض میں آزادی کا شعور پیدا ہوا اور تمام نوآبادیاں، انگریزوں اور فرانسیسیوں کے قبضہ سے نکل گئیں اور خود مختار مملکتوں میں آزادی کا سانس لینے لگیں۔

قادیان (۱۹۳۸ء) میں اپنے خدام کے ہمراہ

ایک جلسہ سالانہ پر احباب جماعت سے مخاطب
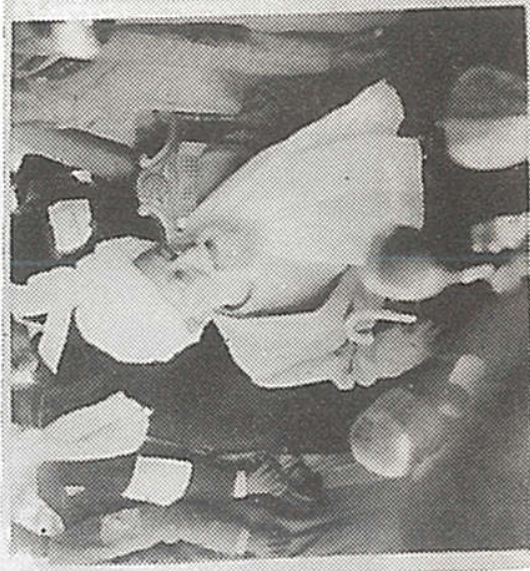
ایک جلسہ سالانہ کے موقع پر خدا کے
حضور دست بہ دعا

ڈلہوزی میں قیام کے دوران نمازِ عصر
کے بعد احباب جماعت سے ایک نشست
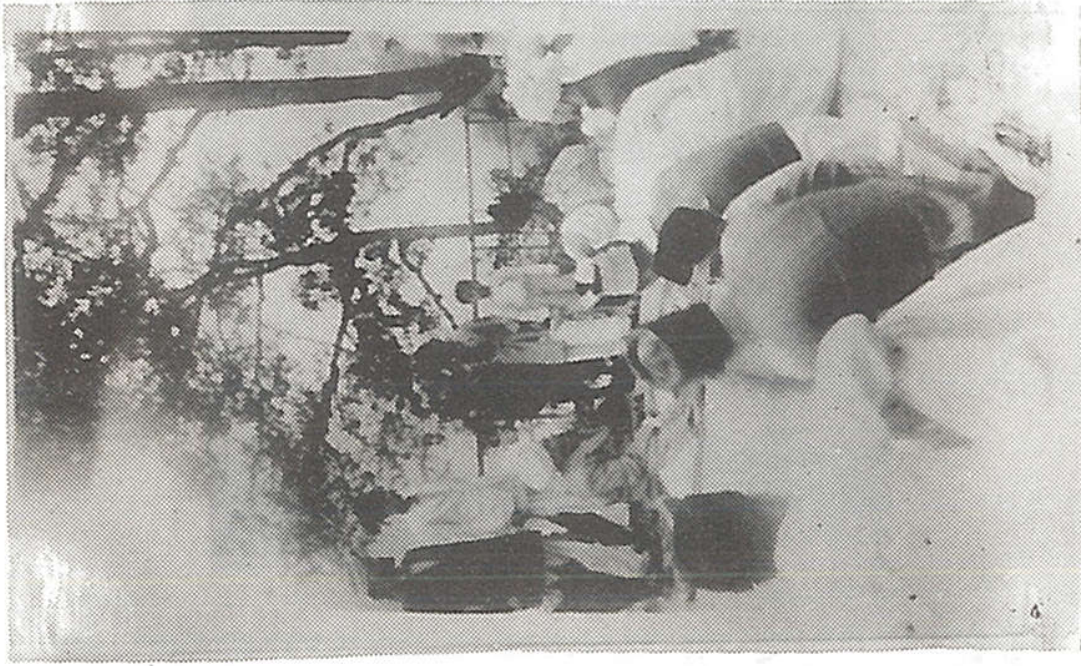
تحیر و تمسخر

ڈاکٹری اور امورِ خلافت

مولانا ظفر علی خاںؒ کے گھر تک

○

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى أَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى أَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْإِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ (الحجرات)

ترجمہ : اے مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے اسے حقیر سمجھ کر ہنسی مذاق نہ کیا کرے، ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہو اور نہ (کسی قوم کی) عورتیں دوسری (قوم کی) عورتوں کو حقیر سمجھ کر ان سے ہنسی ٹھٹھا کیا کریں۔ ممکن ہے کہ وہ (دوسری قوم یا حالات والی) عورتیں ان سے بہتر ہوں اور نہ تم ایک دوسرے پر طعن کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے ناموں سے یاد کر دکیوں کہ ایمان کے بعد اطاعت سے نکل جانا ایک بہت ہی برے نام کا مستحق بنا دیتا ہے (یعنی فاسق کا) اور جو بھی توبہ نہ کرے، وہ ظالم ہوگا۔

ان آیات میں معاشرہ کی ایک اور بڑی خرابی کی قرآن کریم نے نشان دہی کی ہے۔ استہزاء اور تمسخر ایسی برائیاں ہیں کہ جس کے نتیجے میں برادرانہ اخوت اور بھائی چارہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ہے۔ بھائی کو بھائی سے نفرت اور دوست کو دوست سے عداوت ہو جاتی ہے۔ ایسا اوقات

باہمی رنجش کی ایسی خلیج بن جاتی ہے کہ جس کو پاٹنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو جاتا ہے ۔ یہ بنیادی برائی دو انسانوں سے لیکر دو قوموں کے مابین جنگ و جدل قائم کر دیتی ہے ۔ عزتِ نفس، خودداری اور انا کو ایسی زبردست ٹھیس پہنچاتی ہے کہ دوسرا ہمیشہ اس تاک میں رہتا ہے کہ کب موقع ملے کہ میں دوسرے کی پگڑی سرِ بازار اچھال دوں ۔ اس طرح احساسِ برتری کا شکار قومیں یا جماعتیں جب دوسرے کو حقیر سمجھتی ہیں تو انہیں مسخر کرنے کیلئے یا باقاعدہ اعلانِ جنگ ہوتا ہے یا پھر سرد جنگ کا آغاز ہو جاتا ہے ۔ یہ برائی فردِ واحد سے لیکر قوموں تک اثر انداز ہوتی ہے ۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اس کی اجازت نہیں دیتے کہ میرا ایک بندہ دوسرے کا تمسخر اڑائے یا ایک قوم دوسری قوم کی تحقیر کرے اور تم باز نہ آؤ گے تو کان کھول کر سن لو کہ ہمارے نزدیک فاسق بن جاؤ گے، ظالم بن جاؤ گے، فاسق اور ظالم خدا کی آہنی گرفت سے کبھی بھی نہیں بچ سکتا ۔

اسلام نے ایک پاکیزہ معاشرے میں باریک سے باریک احساسات اور جذبات کا خیال رکھا ہے، تمسخر اور مزاح میں فرق ہے ۔ تمسخر یہ ہے کہ چار دوست بیٹھے ہیں، ایک کو مذاق کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور تین خوب دل کھول کر ہنس رہے ہوتے ہیں اور چوتھا اپنے دل میں پیچ و تاب کھا رہا ہوتا ہے ۔ دل میں غصہ و نفرت کا ایک لاوا ہے جو باقی تین کے خلاف ابل رہا ہوتا ہے ۔ لیکن دوسری طرف اسلام صاف ستھرے مزاح کی نہ صرف اجازت دیتا ہے بلکہ پسند کرتا ہے ، خود رسول خدا ہلکا پھلکا مزاح کرتے تھے، آپ کی طبیعت میں قطعاً خشکی نہ تھی ۔

ایک دفعہ آپؐ اور چند صحابی کھجوریں کھا رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کھا کر گٹھلی حضرت علیؓ کیطرف اچھال دیتے تھے۔ دیکھا دیکھی صحابہ نے بھی ایسا کرنا شروع کر دیا، جب کھجوریں کھا چکے تو رسول اللہ نے صحابہ سے کہا دیکھو علیؓ نے کتنی کھجوریں میٹھے میٹھے کھالیں، اس پر حضرت علیؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ گٹھلیاں سمیت کھجوریں کھا گئے لیکن میں نے پھینک دیں۔

اس طرح ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ یا رسول اللہ! مجھے اونٹنی چاہیئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ وہ اصرار کرنے لگا کہ مجھے اونٹنی نہیں چاہیئے جب وہ نہ سمجھا تو آپ نے فرمایا آخر اونٹنی بھی تو کسی اونٹنی کا ہی بچہ ہوتی ہے۔

پس مزاح جس سے سارے خوش ہوں، کسی کی دل شکنی نہ ہو، وہ اسلام میں جائز ہے لیکن تمسخر کی اجازت نہیں ہے۔

ڈاکٹری اور امور خلافت

ایک دفعہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی تقریب پر تشریف لے جا رہے تھے، میں بھی ساتھ تھا اور کوئی دوائی زیرِ بحث تھی اور بات حضرت صاحب ڈاکٹر حبیب اللہ شاہ مرحوم سے کر رہے تھے، آخر ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ حضور جب آپ کو دوائی کے بارے میں علم نہیں تو کیوں بحث کرتے ہیں؟ میں نے کبھی آپ کی خلافت کے بارے میں دخل دیا ہے۔ یہ سن کر تمام سامعین ہنس پڑے اور حضور بھی مسکرا دیئے لیکن دوسری طرف دیکھیں کہ

مولانا ظفر علی خان کے گھر تک

جماعت کے بلند پایہ عالم، حرارت ایمانی سے بھرپور دین کے بے لوث خادم، عبدالرحمٰن خادم مرحوم ابتدائی عمر ہی سے بڑے جوشیلے جوان تھے، مولانا ظفر علی خان کسی جلسہ میں تقریر کے لئے کھڑے ہوتے تو خادم صاحب اپنے فطری جوش و جذبہ سے مولانا ظفر علی سے سوالات کرنے لگے، آپ نے ان سے کہا کہ جماعت کے فلاں لٹریچر اور فلاں تعلیم کے خلاف بات کی ہے، حالانکہ آپ بزرگ ہیں مگر غلط بیانی کرتے ہیں، ہمیں اس کا جواب دیں۔ مولانا خادم صاحب کی بار بار مداخلت سے تنگ آکر سٹیج سے اتر ے اور کہا کہ میں ایسی بیہودہ مجلس میں تقریر نہیں کروں گا۔ یہ کہہ کر اپنے گھر کی طرف پیدل روانہ ہو گئے، لیکن خادم صاحب ان کا پیچھا چھوڑنے والے کہاں تھے۔ ساتھ ہی احمدیہ ہوسٹل کے چند اور احمدی جوان بھی ہو لئے اور بار بار یہی کہتے گئے کہ مولانا ہماری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے حتیٰ کہ گھر آگیا اور مولانا ظفر علی خان نے نہایت غصہ سے کواڑ بند کر کے کنڈی لگالی۔

خادم صاحب مرحوم نے حضرت صاحب کو قادیان خط لکھا جس میں یہ ساری روئیداد درج تھی اور آخر میں لکھا کہ اردو محاورہ کے مطابق "جھوٹے کو گھر تک پہنچا کر آئے"۔ خادم صاحب اب داد و تحسین کے منتظر تھے اور بڑی بے تابی سے خط کا انتظار کر رہے تھے، آخر طلسم ٹوٹا اور حضورؓ کا خط آیا، لکھا تھا

"آپ کا خط پہنچا، خوشی کی بجائے افسوس ہوا، آخر مولانا ظفر علی خان

صاحب بھی اپنے حلقہ میں ایک معزز اور قابلِ احترام شخصیّت ہیں اور اسلام کسی کے ساتھ تمسّخر کی اجازت نہیں دیتا، مَیں آپ سے ناراض ہوں اور اس وقت تک معاف نہ کروں گا جب تک مولانا آپ کو معاف نہ کریں

خادم صاحب نے بیان کیا کہ ہمارے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ یاالہٰی یہ ماجرا کیا ہے؟ ہمارا خلیفہ ہم سے ناراض ہو گیا۔ وہ خط لیکر دوڑے مولانا کے گھر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ مولانا باہر آئے، آپ کو دیکھا اور دروازہ بند کرنے لگے مگر خادم صاحب مرحوم جلدی سے دو کواڑوں کے درمیان آ گئے اور عاجزی سے کہا مولانا! میں بحث کرنے نہیں معافی مانگنے آیا ہوں۔

مولانا معافی کا لفظ سن کر چکرا گئے کہ کہیں یہ کوئی دھوکہ تو نہیں، مگر خادم صاحب مرحوم کے چہرے پر لجاجت اور عاجزی کے تاثرات پڑھ لئے۔ خادم صاحب اندر گئے اور مولانا کے سامنے حضرت صاحب کا خط رکھ دیا۔ خط پڑھ کر مولانا کی آنکھیں بھر آئیں، کہنے لگے کہ میں ایسے اخلاق کا مظاہرہ رسول اللہؐ کے بعد صرف آپ کے صحابہؓ تک محدود سمجھتا تھا۔

خادم صاحب مرحوم کہنے لگے، مولانا! جلدی معافی لکھئے ہماری تو دنیا اندھیر ہو گئی ہے۔

بہر حال آپ کسی بھی پہلو سے سیدنا محمودؓ کی زندگی کو پرکھئے ہر پہلو قرآن کریم اور رسول اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ کی انعکاسی کرتا ہوا نظر آئے گا۔

○

- بھائی اور اولاد
- اولاد اور احباب جماعت
- صدر ایوب سے یادگار ملاقات
- دنیا کا بہترین دماغ
- وہ سخت ذہین ہوگا
- یوسفِ ثانی
- حبیب بنک
- شیورلیٹ کار
- پالش
- خوشامد سے نفرت
- نباضِ فطرت

○

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ
هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا
وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۔ وَمَنْ
يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ (الحشر)

ترجمہ :۔ اور(اسی طرح وہ مال ان لوگوں کے لئے بھی ہے) جو مدینہ میں پہلے
سے رہتے تھے اور (مہاجرین کے آنے سے پہلے) ایمان قبول کر چکے تھے اور
ان سے محبت کرتے تھے جو ان کی طرف ہجرت کر کے آتے اور اپنے دلوں میں
اس (مال) کی خواہش نہیں رکھتے تھے جو ان کو دیا گیا تھا اور وہ باوجود اس
کے کہ خود غریب تھے، مہاجرین کو اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے تھے اور جن لوگوں
کو اپنے نفس کے بخل سے محفوظ رکھا جائے، ایسے تمام لوگ بامراد ہونے والے ہیں

بہترین معاشرہ کا ایک اور مضبوط ستون ایثار ہے۔ ایثار کا مطلب اپنا جائز حق دوسروں کے لئے چھوڑنا ہے یعنی یہ لفظ قربانی چاہتا ہے، ایثار کا لفظ ہم مادی معنوں میں بھی استعمال کر سکتے ہیں اور جذباتی طور پر بھی، یعنی اپنی عزیز خواہشات کو دوسروں کے جذبات کے لئے تج دینا۔

اس سوسائٹی کا رہنے والا جب اپنے ماحول کو ستھرے جذبات سے پر پاتا ہے تو خوش ہوتا ہے کہ میں بھی اس اسلامی معاشرے کا ایک فرد ہوں، اس کا سر فخر سے اونچا ہو جاتا ہے کیوں کہ یہاں نہ چوری ہے نہ ڈاکہ، نہ تمسخر ہے نہ استہزاء، بلکہ رشتہ داروں کی جوان سے کمتر ہیں مدد کر رہے ہیں، بھیک سمجھ کر نہیں، احسان کر کے نہیں، بلکہ خدائے واحد کا حکم تصور کر کے۔

یہاں ہر صاحب استطاعت، غرباء، مساکین، مسافر، سوالی غلام کی مدد کیلئے بشاشت قلبی کیساتھ، مسکراتے چہروں کے ساتھ امڈا چلا آرہا ہے، کسی کو یہ احساس نہیں کہ میں انسان کے احسانات کے تلے دبا جارہا ہوں۔ نہ دینے والا سوچ رہا ہے اور نہ لینے والا احساس کمتری کا شکار ہے۔ انسان کمزور ہے، غلطیاں بھی ہوتی ہیں اور قصور بھی، مگر جدھر دیکھو، عفو کا سمندر پوری شان و شوکت سے ٹھاٹھیں مار رہا ہے اسلامی معاشرہ کیا ہے ایک طلسم گاہ ہے، امیر کو اپنے مال پر گھمنڈ نہیں غریب کو اپنی کم مائیگی کا احساس نہیں۔ محسن قابل احترام ہے مگر احسان جتلا نہیں رہا، غریب، غریب نہیں رہا، مسکین، مسکین نہیں رہا، سوالی سوالی نہیں رہا، اس کا طرۂ امتیاز تو دیکھو، یتیم، یتیم نہیں رہا۔ بلکہ تمام کے تمام لوگ اسلامی معاشرہ میں درد بھرے دل لئے حقوق العباد اس طرح ادا کر رہے

جیسے حاکم وقت کے اشارے پر غلام بھاگے بھاگے پھرتے ہیں۔
ہاں! یہاں پر صرف ایک ہی ہستی کی بادشاہت قائم ہے وہ جو کائنات کا خالق کل ہے اور اس کا فرستادہ سرکار دوعالم محمد مصطفیٰ تخت نشین ہے، آپ اس آسمانی بادشاہت کے سربراہ ہیں، ہزاروں غلام ہیں جو اس اسلامی معاشرہ کو جو تحفظ، سکون اور اطمینان سے عبارت ہے قائم کرنے کے لئے ہر وقت دست بستہ رہتے ہیں۔ ان میں سے آپ کا ایک خادم اور ماں باپ کا طفل حسین ہے، جس کی ساری زندگی بچپن سے وفات تک ایثار و قربانی میں گزر گئی۔ ایثار وفا کا تناور درخت جس کی چھاؤں میں کتنے زندگی کے خواہاں موت کے پنجے سے نجات پاگئے، اور کتنے ہی تھے جو عیسائیت، لامذہبیت اور غربت و افلاس کی قبروں میں دبے پڑے تھے باہر آگئے، اور حقیقی خدا اور حقیقی رسول کو پہچان گئے۔

مکرم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے ایک دفعہ حضور کو کئی سوا یکڑ زمین تحفہ کے طور پر دی جو آپ نے صدر انجمن احمدیہ کو اپنی طرف سے دے دی۔ کئی لاکھ کی جائیداد تھی مگر سمجھا کہ اس جائیداد سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشن کو مدد ملتی ہے تو آپ نے یہ مالی قربانی اطمینان قلب سے دی۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں بلکہ ایسے سینکڑوں واقعات آپ کی زندگی میں ملتے ہیں۔

اولاد اور بھائی

حضور ربوہ میں قیام فرما تھے۔ آپ نے حضرت مرزا بشیر احمدؓ کو بلایا کہ ربوہ میں بہت گرمی ہے آپ یہاں آجائیں، ساتھ ہی اپنی ایک صاحبزادی کو حکم دیا کہ گھر کا فلاں حصہ "میاں بشیر" کے لئے خالی کر دو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں اپنا کمرہ

کیوں خالی کر دوں کسی اور سے کہیں۔

جب یہ اطلاع حضور کو پہنچی تو سخت جلال میں آگئے اور کہا میری زندگی میں اگر میری اولاد میرے بھائیوں کے متعلق ایسا سوچے گی تو وفات کے بعد کیا حال ہو گا۔ اور ساتھ ہی حکم دیا کہ اس کو (اپنی بیٹی) کہو کہ اس وقت سامان اور بچے لیکر واپس ربوہ چلی جائے۔ چنانچہ اسے ایک گھنٹہ کے اندر اندر روانہ کر دیا گیا۔

یہ تھے ایثار کے جذبات۔ کون اپنی اولاد کو پس پشت ڈال کر اپنے پدری جذبات کو ختم کر کے بھائی کے لئے اتنی بڑی قربانی دیتا ہے۔

اولاد اور احباب جماعت

۱۹۵۰ء کا ذکر ہے کہ ہم حضرت صاحب کے ساتھ کوئٹہ میں موسم گرما کی چھٹیاں گزار رہے تھے (یہاں یہ بات عرض کر دوں کہ بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے اور امتہ الجمیل وامتہ المتین بہنوں میں سب سے چھوٹی ہونے کی بنا پر حضور کی زندگی میں تمام سفر ہم نے اکٹھے کئے ہیں) جب واپسی ہوئی تو ان دنوں شدید سیلاب آئے ہوئے تھے۔ قافلہ کچھ اس طرح چلا کہ حضرت صاحب، آپ کی ازواج مطہرات اور ہم تینوں چھوٹے بچے ساتھ آئے۔ باقی قافلہ جس میں صاحبزادہ مبارک احمد صاحب بھی تھے پیچھے رہ گیا مجھے اتنا یاد ہے کہ کشتی میں سوار ہو کر روہڑی پہنچے تھے قربان حسین شاہ صاحب کوئٹہ سے ساتھ آئے، آپ پولیس کے محکمے میں کام کرتے تھے جب وہ حضور کو چھوڑ کر دوسرے قافلہ کو لینے گئے تو حضور نے ان

سے کہا کہ جب باقی قافلہ خیریت سے پہنچ جائے تو خواہ رات کا کوئی حصہ ہو مجھے اطلاع کی جائے ۔

قربان حسین شاہ صاحب واپس چلے گئے اور حضور جس مکان میں قیام فرما تھے اس کی چھت پر ٹہلتے رہے، حتیٰ کہ اگلے دن صبح کی اذان کا وقت ہو گیا، اذان کی آواز سن کر آپ نے پہریدار کو آواز دی کہ قربان حسین شاہ نہیں آئے ؟

پہریدار نے عرض کی کہ حضور وہ تو رات ایک بجے آگئے تھے، تو فرمایا کہ قربان حسین شاہ صاحب کو بلایا جائے جب شاہ صاحب حاضر ہوئے تو حضور نے کہا

"جب میں نے کہا تھا کہ جس وقت بھی دفتر پرائیویٹ سیکرٹری اور باقی افراد پہنچیں، مجھے اطلاع کریں خواہ رات کتنی ہی گزر چکی ہو، پھر آپ نے ایسا کیوں نہ کیا"۔

انہوں نے کہا

"حضور! میاں مبارک اندر چلے گئے تھے تو میں نے سمجھا کہ اطلاع ہو گئی ہے"۔

تو اس پر حضور نے تکلیف سے کہا

"میں مبارک احمد کیلئے اتنا بے چین نہیں تھا میں تو سارے قافلے کے لئے فکر مند تھا"، اور میں نے ساری رات پریشانی میں ٹہل کر گزاری ہے،

قربان حسین شاہ فرماتے تھے کہ میں نے حضور سے معافی مانگی ۔

دیکھو! اس شخص کو جماعت کے افراد سے کس قدر پیار ہے وہ اپنے بیٹے کے بخیریت پہنچنے پر آرام سے نہیں سویا جب تک اس کو یہ پتہ نہ چلا کہ

باقی لوگ بھی پہنچ چکے ہیں۔ اس نے اپنی نیند، اپنا آرام صرف اس بے حسی پر قربان کر دیا کہ دوسرے بھی انسان ہیں، دوسرے بھی کسی باپ کی اولاد ہیں۔

بنی نوع انسان میں اسلام نے دو بنیادی حقوق قائم کر دیئے ہیں ایک حقوق اللہ، دوسرے حقوق العباد۔
حقوق اللہ کا تعلق بندے اور خدا کے درمیان ہے اور حقوق العباد انسانوں کے آپس میں رہنے سہنے سے متعلق ہیں۔
انسان لغزشوں، کوتاہیوں اور معاصی کا پتلا ہے۔ وہ لغزش کھاتا ہے خدا ستاری فرما دیتا ہے۔ وہ گناہ کرتا ہے خدا اسے معاف کر دیتا ہے، بہ شرط یہ ہے کہ گناہ کی معافی صدق دل سے مانگی جائے اور آئندہ اس کے ارتکاب سے بکلی طور پر توبہ کی جائے۔ یہ ایک بہت وسیع مضمون ہے اور ہزارہا اسلامی کتب اس موضوع پر ملتی ہیں۔
دوسرا بنیادی حق جو قائم کیا گیا ہے وہ حقوق العباد ہے کہ بندہ جس ماحول، ملک اور معاشرہ میں رہتا ہے، اس کا طرز عمل دوسرے انسانوں سے کیا ہونا چاہئیے، اسلام نے اس کی بہت اہمیت رکھی ہے۔ حتیٰ کہ روایت میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وہ گناہ جو بندے اور اس کے درمیان ہوتا ہے وہ قیامت کے دن معاف کر دے گا۔ لیکن وہ زیادتی جو ایک انسان نے دوسرے انسان پر کی ہے جب تک مظلوم اسے معاف نہ کرے خدا بھی معاف نہ کرے گا۔

کہتے ہیں کہ ایک نیک بزرگ جو خدا تعالیٰ کے بڑے مقرب تھے، ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے خدا کے قرب کا کوئی طریقہ بتایئے آپ نے پوچھا، کبھی تم نے کسی انسان سے محبت کی ہے۔ کہنے لگا نہیں اس پر بزرگ نے بڑی سختی سے کہا، اٹھ کر میری مجلس سے چلے جاؤ، جس نے کبھی انسانوں سے محبت نہیں کی جن میں وہ رہتا ہے وہ خدا سے کیا پیار کرے گا۔

پس حقوق العباد اپنی ذات میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس لئے میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی زندگی کے صرف اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اس لحاظ سے بھی آپ رسول خدا کے حقیقی جانشین تھے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روشنی کا مینار تھے تو آپ اس مینار کی روشنی تھے۔

دنیا میں بے شمار لوگ ایسے پیدا ہوئے جو خود کو انسانیت کا نجات دہندہ سمجھتے تھے، اس لئے کئی تحریکیں مختلف ملکوں میں مختلف اوقات سر اٹھاتی رہیں۔ کوئی مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کے لئے تو کوئی کسانو اور غلاموں کے بنیادی حقوق کی حفاظت کیلئے قائم کی گئی۔ ہر تحریک کا بانی انسانیت کے درد میں ڈوبا نظر آتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خطہ ارضی پر رہنے والے خصوصًا اور ان میں مسلمان ان تحریکوں سے بڑے متاثر ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر اسلام سے ناواقفیت اور جاہلیت ہے حقوق العباد کے سلسلہ میں کوئی بھی پہلو ایسا نہیں جس کی فروعات تک کو اسلام

نے بیان نہ کیا ہو، اگر ہیں اس کا علم نہیں تو ہماری عقل کا قصور ہے، تعلیم کا نہیں ۔

آپ نے دیکھا کہ میں نے سیدنا محمود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صرف چند واقعات لکھے ہیں لیکن اگر کوئی غیر متعصب انسان اس کو پڑھے گا تو اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جہاں اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے وہاں آپ اس کی مکمل ترین تصویر تھے اور یہ ہے وہ مقام ارفع جس کو دیکھنے کیلئے ہمیں ماضی کے دبیز پردے الٹنے نہیں پڑتے بلکہ ابھی بھی اس کی خوبصورت شبیہ ہماری نگاہوں کے سامنے گھوم رہی ہے اور بار بار نصیحت کر رہی ہے کہ جو اسلامی تعلیم اپنے عمل سے چھوڑ آیا ہوں اس کو اپناؤ اور اسی پر عمل کرو

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ میں نہیں کہہ رہا خدا کہہ رہا ہے۔

پس تم میری مانو اور میرے پیچھے چلو،

خدا تمہارے ساتھ ہو،

خدا تمہارے ساتھ ہو،

خدا تمہارے ساتھ ہو،

تم اس دنیا میں بھی عزت پاؤ،

اور آخرت میں بھی عزت پاؤ۔

(تقریباً جلسہ سالانہ ۱۹۵۳ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تاریخ دیکھنی ہو یا آپ کا اس زندگی میں کردار دیکھنا ہو تو سبز اشتہار اٹھا کر پڑھ لیجئے کہ اس کا ایک ایک لفظ آپ کی زندگی میں پورا ہوا ہے ۔

میں نے اپنے مضمون کو آپ کی زندگی کے صرف وہ پہلو اجاگر کرنے کیلئے

مختص کیا ہے جس کا تعلق حقوق العباد اور معاشرے سے ہے، اس لئے اب میں بعض متفرق واقعات لکھ کر اور آخر میں غیرت دینی کا ذکر کر کے اپنے اس مضمون کو ختم کروں گا۔

حضرت سیدنا محمود رضی اللہ عنہ کی مدرسہ کی تعلیم مڈل سے زیادہ نہ تھی، گویا آپ کا علم، علم لدنی تھا کسی انسان کا مرہون منت نہیں۔

آپ کو قرآن کریم اور علوم اسلامیہ پر اتنا عبور تھا کہ آپ نے بارہا اپنی تقاریر میں چیلنج کیا کہ کوئی انسان خواہ وہ ہندوستان کا رہنے والا ہو یا عرب کا قرآنی علوم میں مجھ سے مقابلہ کر لے، مگر کوئی مرد میدان ان کے ۵۲ سالہ دورِ خلافت میں سامنے نہ آیا۔ دینی علوم میں آپ کی دسترس تو ثابت شدہ حقیقت ہے اور یہ وہ باطنی علم ہے جو کہ خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آپ کو بے حد وحساب دیا، علوم ظاہری میں بھی آپ کا ثانی کوئی نہ تھا۔

صدر ایوب سے ایک یادگار ملاقات

۱۹۶۲ء کا ذکر ہے مجھے گردہ کی شدید تکلیف ہوئی اور میرے بڑے بھائی ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب نے کہا کہ ربوہ میں گرمی بہت ہے آپ مری چلے جاؤ، کیونکہ گرمی کا اثر بھی گردے پر ہوتا ہے۔ میں اس ڈاکٹری مشورہ کے بعد مری چلا گیا۔

ان دنوں سابق صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان مرحوم بھی مری آئے ہوئے تھے، میں نے ان کو خط لکھا کہ میں ملنا چاہتا ہوں، میں نے اپنا

تعارف بھی کروایا اور یہ بھی لکھا کہ یہ ملاقات جماعتی طور پر نہیں بلکہ میری ذاتی خواہش کے پیش نظر ہے ۔ چند دنوں کے بعد ان کا جواب آیا کہ آ کر مل لیں ۔ ان کے دیئے ہوئے دن اور وقت پر میں پریذیڈنٹ ہاؤس پہنچا میری ان سے تقریباً سوا گھنٹہ ملاقات رہی ، میں نے اس دوران میں انہیں حضورؓ کی تصنیف " دیباچہ تفسیر القرآن " پیش کی جسے انہوں نے بڑے احترام سے قبول کیا اور چند منٹ اسے پڑھا اور پھر کہنے لگے :

" میں آپ کو حضور کا ایک واقعہ سناتا ہوں ۔ ۱۹۵۰ء میں اپنے کوئٹہ کے قیام کے دوران حضرت صاحب نے سٹاف کالج کے تمام افسران کی دعوت کی میں بھی مدعو تھا ، چائے ختم ہوئی تو حضور تقریر کے لئے کھڑے ہو گئے اور ابتدا اس طرح کی کہ پاکستان کو جغرافیائی اور فوجی نقطہ نظر سے کہاں کہاں سے اور کس طرح خطرہ ہو سکتا ہے ۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اب تو وقت کا ضیاع ہو گا کیوں کہ ایک مذہبی راہنما کو فوج کے نقطہ نظر کی کیا خبر اور خطرات کی نشاندہی سے کیا کام ۔ دراصل میں اپنے آپ کو اس علم کا ماہر سمجھتا تھا جس سے طبیعت میں اکتاہٹ محسوس ہوئی ، لیکن جب انہوں نے یہ مضمون بیان کیا اور اپنی تقریر ختم کی تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ آج پہلے دن میں نے سٹاف کالج میں داخلہ لیا ہے ۔ جس شخص کو خدا نے ایسا زبردست دماغ دیا ہو اور غیر متعلقہ علوم میں اس کی دسترس اس غضب کی ہو ، دینی علوم میں اس کے ادراک کا کیا عالم ہو گا " !

دنیا کا بہترین دماغ

ہمارے ایک احمدی دوست ڈاکٹر لطیف صاحب (سرگودھا) نے فرمایا ! ایک دفعہ ایک لیبر لیڈر میرے پاس آئے ۔ وہ ساری دنیا کا دورہ کر کے آئے

بھے اور اپنے سفر کے حالات سنا رہے تھے کہ میں امریکہ کے صدر نکسن سے بھی ملا، برطانیہ، فرانس اور جرمنی کے سربراہوں سے بھی ملاقات کی۔ چواین لائی کو بھی دیکھا، ان سب میں ماؤزے تنگ حیرت انگیز دماغی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ اس فقرہ کے بعد اچانک خاموشی چھا گئی اس کی نگاہیں ٹکٹکی باندھے ایک جانب دیکھ رہی تھیں، میں نے دیکھا تو کانس پر پڑی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تصویر پر ان کی نگاہیں جمی ہیں جس کو غالباً شروع میں میرے گھر آکر انہوں نے نوٹ نہیں کیا تھا۔ میں نے ان کی محویت توڑتے ہوئے پوچھا، کیا ہوا کہنے لگے۔ یہ سچ ہے کہ ماؤزے تنگ عظیم شخصیت ہے لیکن حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد سے ان کی زندگی میں ایک بار میری ملاقات ہوئی جس کو تا دمِ آخر نہ بھول سکوں گا، اس دماغ کا انسان روئے زمین پر نہ مل سکے گا، افسوس نادرِ روزگار ہستی بہت جلد ہم سے جدا ہو گئی۔

وہ سخت ذہین ہوگا

آپ کے پیروکار ہی نہیں مخالف بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ پیشگوئی بھی بڑی آب و تاب سے پوری ہوئی۔

ایک مشہور انگریز مصنف لکھتا ہے کہ دنیا میں GENIOUS (غیر معمولی دماغ والے) آدمیوں کی تاریخ پر نظر ڈالو تو اب تک صرف دو مثالیں ایسی ملتی ہیں کہ باپ بھی GENIOUS ہو اور بیٹا بھی۔ ایک اس نے موتی لال نہرو اور جواہر لال نہرو کا ذکر کیا اور دوسرے بانیٔ جماعت احمدیہ مسیح موعود علیہ السلام اور خلیفۃ المسیح الثانی کا ذکر کیا۔ اور لکھا کہ یہ شخص بہت ہی غیر معمولی ذہن رکھتا ہے پس علومِ ظاہری اور باطنی کی دو دھاری تلوار دشمنوں کے منصوبوں کو ہمیشہ

تاخت و تاراج کرتی رہی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ شخص زمین کے کناروں تک شہرت پا گیا۔

تقدس

اس کے تقدس کا تو کہنا ہی کیا۔ حضرت مہر آپا فرماتی ہیں کہ جب کوئی مشکل درپیش ہوئی تو میں نے دیکھا کہ سجدہ ریز ہیں اور دبی دبی چیخیں نکل رہی ہیں اور صرف یہ آواز سنائی دے رہی ہے

یا ربّی، یا ربّی!!

سجدہ سے سر اٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا نے میری دعا قبول کر لی۔

یوسف ثانی

خوبصورتی کا یہ عالم ہے کہ کرنل نصر اللہ خان صاحب نے کہا کہ ایک انگریز حضور سے ملنے کا خواہشمند تھا، میں نے حضور کو خط لکھا کہ فلاں آدمی آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے اجازت دے دی۔ ہم قادیان آئے حضرت صاحب سے کافی گفتگو ہوئی، جب ملاقات سے فارغ ہو کر باہر آئے تو بے ساختہ اس نے کہا

"نصر! اتنا خوبصورت انسان میں نے زندگی بھر نہیں دیکھا۔"

آ رہی ہے اب تو خوشبو میرے یوسف کی مجھے
گو کہو دیوانہ میں کرتا ہوں اس کا انتظار

(حضرت مسیح موعود)

حبیب بنک

برصغیر کی تقسیم سے قبل مسلمانوں کی جہاں دینی، سیاسی اور اخلاقی حالت ناگفتہ بہ تھی وہاں معاشی لحاظ سے بھی دیوالیہ نکل گیا تھا، ہندو بنیا تمام ہندوستان کی معیشت پر چھایا ہوا تھا اور ایسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ مسلمانوں کا معاشی بائیکاٹ کر دیا جاتا جس سے مسلمان تاجر معاشی بحران کا شکار ہو جاتے۔ یہ بات بہت سے لوگوں کے لئے نئی ہے کہ حضور نے مسلمانوں کی معیشت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے بہت اہم خدمات سرانجام دی ہیں۔

ایک روز سیٹھ حبیب حضور کے پاس قادیان آئے اور آپ سے ملاقات میں کہا کہ مسلمانوں کے لئے جو درد مند دل رکھتے ہیں اور تمام ہندوستان میں اپنی ہمت اور کوشش سے مسلمانوں کی ہر میدان میں مدد کر رہے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ ایک بنک کھولوں اس کا نام میں نے حبیب بنک رکھا ہے۔ آپ اپنی جماعت کا تمام روپیہ ہمارے بنک میں جمع کروائیں۔

حضور نے فرمایا

"اللہ تعالیٰ آپ کی کوششوں کو کامیاب کرے، یہ ایک بہت بڑا احسان مسلمانوں پر ہوگا۔ میری جماعت تو غریب ہے لیکن میرے ذاتی تعلقات مسلمان جاگیرداروں، نوابوں اور زمینداروں سے ہیں جن کا کروڑہا روپیہ مختلف

بنکوں میں پڑا ہے میں ان سے بھی لیکر آپ کو دوں گا۔ چنانچہ آپ کی اس معاونت سے حبیب بنک کو ایک مضبوط اساس مہیا ہو گئی، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج یہ بنک پاکستان میں سرمایہ کاری میں سرفہرست ہے۔

ہندوستان تقسیم ہوا تو پاکستان کی تباہ حال معیشت کو سہارا دینے میں حبیب بنک نے گرانقدر حصہ لیا تھا۔ ہم مہاجرین کر اپنا تمام اثاثہ چھوڑ کر لاہور آ گئے۔ سیٹھ حبیب کو حضور کی بروقت امداد یاد تھی سیٹھ صاحب خود بہت نیک دل اور معزز خاندان سے تھے، وہ لاہور میں حضور کو ملنے آئے اور کہا کہ حضور میں ایک تجویز لے کر آیا ہوں اگر آپ راضی ہو جائیں تو جہاں آپ کو فائدہ ہوگا وہاں مجھے بھی بے حد خوشی ہوگی۔

حضور نے مسکرا کر فرمایا

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

کہنے لگے

"حضور! آپ ٹیکسٹائل ملز لگا لیں۔ گورنمنٹ سے اجازت لے لیں یہ مشکل کام نہیں ہے آپ کے لئے"۔

حضور نے کہا

"میں غریب آدمی ہوں۔ میرے پاس اتنا سرمایہ کہاں سے آیا"

کہنے لگے

حضور! سرمایہ کی فکر نہ کریں، وہ حبیب بنک دے گا اور جب مل لگ جائے اور کام چل جائے تو آہستہ آہستہ اتار دیں"۔

آپ نے فرمایا

"میں آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں لیکن یہ کام میں نہیں کر سکتا"۔

ایک بار ہم حضرت صاحب کے ساتھ سندھ کی زمینوں پر گئے ہوئے تھے تو سیٹھ حبیب وہاں آ گئے۔ حضور کو باغبانی کا بہت شوق تھا آپ نے ان کو کہلا بھیجا کہ آج شام ہم باغ میں اکٹھے چائے پئیں گے۔
شام کو چائے پر باتیں ہوتی رہیں۔ آخر میں انہوں نے حضور سے کہا
"اب ہمیں اجازت دیں اور ساتھ ہی ایک درخواست بھی ہے اور مجھے امید ہے کہ حضور اسے رد نہیں کریں گے۔"
آپ نے کہا
"ہاں! فرمائیں"
انہوں نے گولڈ میڈل ٹائپ ایک چیز نکالی اور حضور کو پیش کرتے ہوئے کہنے لگے
"حضور! سونے کا یہ نشان آپ پاکستان میں حبیب بنک کی کسی بھی شاخ میں دکھا کر جتنا روپیہ درکار ہو نکلوا سکتے ہیں"
حضور نے شکریہ کے ساتھ لے لیا۔ پھر چلتے چلتے چند منٹ اور لگ گئے۔ جب انہوں نے مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھایا تو حضور نے کہا
"ایک چیز میں نے بھی دینی ہے۔ کیا میں امید رکھوں کہ آپ انکار نہیں کریں گے۔"
سیٹھ حبیب کہنے لگے
"حضور! یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کوئی چیز عنایت فرمائیں اور ہم انکار کریں"
حضور نے مسکرا کر وہی میڈل ان کو واپس کرتے ہوئے کہا
"آپ کا تحفہ مجھے مل گیا جس کا میں نے شکریہ بھی ادا کر دیا، اب یہ تحفہ میری طرف سے آپ قبول فرمائیں۔"

انہوں نے طوعاً و کرہاً واپس لے لیا۔ لیکن دل دونوں کے ایک دوسرے کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے خوش تھے۔

جو سیاست ہے اسے اہلِ سیاست جانیں

جہاں آپ نے مسلمانوں کے تحفظ اور حقوق کے لئے اپنا تن من دھن نچھاور کیا وہاں ملک و ملت کی سیاسی راہنمائی بھی کی، لیکن اب وہ عملی سیاست ترک کر چکے تھے اور کلیتہً ساری توجہ تبلیغ اسلام اور اشاعتِ قرآن پر صرف ہو رہی تھی۔

ملک میں الیکشن ہو رہے تھے۔ ربوہ کے قریب بڑے زمیندار سید الطاف علی شاہ صاحب حضورؒ کے پاس ووٹ لینے آئے۔ آپ نے ان کی خاطر مدارت کی لیکن ووٹ دینے کی معذرت کر دی، اس پر انہوں نے کہا "حضور! ہم صرف یہ گزارش کریں گے کہ ایک تو آپ ہمارے لئے دعا کریں اور ساتھ ہی ایسا بھی ہو کہ کوئی احمدی جعلی ووٹ نہ ڈالے"۔

"میری دعائیں آپ کے ساتھ ہوں گی، لیکن میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ کوئی احمدی جعلی ووٹ ڈالے گا۔ بہر حال آپ کی تسلی کے لئے میں یہ ہدایت جاری کر دوں گا کہ اگر کسی احمدی نے جعلی ووٹ ڈالا تو اس کو اخراج از جماعت کی سزا دوں گا۔"

الیکشن ہوئے اور الطاف شاہ صاحب جیت گئے۔ اور حضور کے ہاں مٹھائی لے کر آئے۔ حضور نے فرمایا کہ میں نے تو آپ کی کوئی مدد نہیں کی، ویسے خدا آپ کو مبارک کرے۔ وہ کہنے لگے حضور ہمیں سو فیصد یقین ہے کہ آپ کی دعاؤں سے جیتے ہیں کیونکہ بظاہر ہمارے جیتنے کی کوئی صورت نہ تھی۔

شیور لیٹ

حضور کو جماعت کے پیسے کا بے حد خیال تھا کہ کہیں غلط جگہ اس کا استعمال نہ ہو۔ مجھے یاد ہے کہ نخلہ (جابہ) میں حضور قیام پذیر تھے، اس دوران میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب حضور کو ملنے کی غرض سے آئے۔ انہوں نے ایک شیور لیٹ ایرکنڈیشنڈ کار خریدی تھی اور اس وقت وہ چالیس ہزار روپے کی آئی تھی۔ میاں صاحب نے حضور سے کہا کہ بڑی اچھی کار ہے، میں نے منگوا تو لی ہے لیکن میرے افراد خانہ کی ضروریات سے زیادہ ہے۔ لہذا آپ خرید لیں۔ حضور نے پہلے تو انکار کیا، پھر بار بار تعریف کی بنیاد پر خرید لی۔

صاحبزادہ صاحب موصوف واپس راولپنڈی چلے گئے اور اب حضرت صاحب دن میں کئی بار کہتے کہ مظفر کے کہنے پر خرید تو لی ہے لیکن انجمن پر بار ہوگا۔ بھلا انجمن کو میری ذات کے لئے اتنی مہنگی کار خریدنے کی کیا ضرورت ہے۔ بہر حال کئی روز حضور کی طبیعت اس خیال سے ملول رہی۔

پالش

ہم لوگ سندھ میں اپنی زمینوں پر گئے ہوئے تھے۔ میری سب سے چھوٹی ہمشیرہ حضور کی بہت لاڈلی تھی، وہ بعض اوقات ضد کر کے بھی اپنی خواہش پوری کروا لیتی تھی جبکہ ہمارے لئے آپ کی وجاہت اور رعب و جلال کی وجہ سے کسی کا پیغام دینا بھی مشکل ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ حضور نماز پڑھانے جا رہے تھے تو ڈیوڑھی میں دیکھا کہ میرے

پر سٹیشن ایک شخص جوتی پالش کر رہا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ کس کی جوتی ہے؟
اس نے کہا کہ پتہ نہیں، اندر سے کسی بی بی کی آئی ہے۔ آپ نے وہ جوتی اس
سے لے لی اور اندر آئے اور ہر ایک سے پوچھا کہ یہ کس کی جوتی ہے۔ مارے
خوف کے سب خاموش تھے، آخر آپ نے غصہ سے پوچھا کہ بتاتے کیوں نہیں
آخر سکوت ٹوٹا اور چھوٹی ہمشیرہ بولی کہ میری ہے ابا جان۔ حضور نے فرمایا کہ
دیکھو! انجمن پہریدار کی تنخواہ میرے لئے دیتی ہے، تمہارے لئے نہیں۔ اگر تم نے
جوتی پالش کرانا ہو اور خود نہ کر سکتی ہو تو مجھے دیدیا کرو۔ میں پالش کر دیا کروں گا
پہریدار یا انجمن کا کوئی ملازم میرا ذاتی ملازم نہیں۔

پس حضور یہ پسند نہ فرماتے تھے کہ جماعت کا روپیہ جو لوگوں کے خون
پسینہ کی کمائی سے چندہ میں آتا ہے، اس کا ایک پیسہ بھی ایسی جگہ جس کی انجمن نے
اجازت نہیں دی خرچ ہو۔

مجھے یاد ہے کہ تقریر کے موقع پر فرما رہے تھے کہ میرے مخالف مجھ پر مختلف
الزامات لگاتے رہے، اس میں ایک یہ بھی تھا کہ انجمن کے روپے کو جس کے
آپ سیاہ وسفید کے مالک ہیں ناجائز خرچ کیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں
نے ان سے کہا کہ ایک ایک پیسہ جو خرچ ہوتا ہے اس کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ میں
اجازت دیتا ہوں کہ تم آکر ریکارڈ دیکھ لو، پھر الزام لگانا۔ جب یہاں بھی پیش
نہ گئی تو میرے کیریکٹر پر حملے شروع کر دیئے۔

خوشامد سے نفرت

آپ کے کردار کا ایک اور اہم پہلو یہ تھا کہ آپ کو خوشامد سے شدید نفرت تھی
تاریخ گواہ ہے کہ دنیا کے چوٹی کے قومی راہنماؤں نے جنہوں نے بڑے بڑے

معرکے سر کئے اور فتوحات حاصل کیں اکثر اپنے خوشامدیوں اور جی حضوریوں سے مات کھائی۔ خوشامدی کبھی سربراہ یا امیر قوم کو صحیح حالات سے باخبر نہیں رکھتا اور "سب ٹھیک ہے" کا راگ الاپ کر قوم سے اس کا رابطہ کاٹ کے رکھ دیتا ہے، اس کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ اس کی ہاں میں ہاں ملائے خواہ اس کا نتیجہ اس کی قوم اور خود اس کے لئے برا ہی نکلے۔

حضور اس سلسلہ میں اکثر ایک لطیفہ سنایا کرتے تھے کہ ایک بادشاہ کو بینگن بہت پسند تھے، اس کے دسترخوان میں اکثر یہ سبزی شامل ہوتی، اس کا ایک درباری جو خوشامد میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا، بادشاہ کی اس کمزوری سے واقف تھا، ایک دفعہ بادشاہ نے اس سے بینگن کے بارے میں رائے پوچھی تو وہ کہنے لگا

"بادشاہ سلامت! سبزیوں میں اگر کوئی سبزی ہے تو وہ بس بینگن، اور تو اور ذرا اس کی پیدائش پر غور فرمائیے اپنے پودے کے ساتھ لگا یوں نظر آتا ہے جیسے کوئی درویش چلہ کاٹ رہا ہو"

بادشاہ بہت خوش ہوا، اس نے بینگن کھانے کی رفتار اور تیز کر دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بیمار پڑ گیا، اسے بینگن سے شدید نفرت ہو گئی۔ صحت یاب ہونے پر جب وہ دربار میں آیا تو بینگن کی کھل کر مذمت کی، خوشامدی نے بادشاہ کی ہاں میں ہاں ملائی اور بینگن میں کیڑے ڈالنے شروع کئے، اس نے بادشاہ سے کہا۔

" بادشاہ سلامت! یہ بڑی واہیات سبزی ہے، اور باتوں کو چھوڑیئے ذرا اس کی پیدائش ہی کو دیکھئے یوں لگتا ہے جیسے کوئی کالا چور پھانسی لگا ہوتا ہے"

بادشاہ نے برہم ہو کر کہا

"ارے بیوقوف! اس دن تو کہہ رہا تھا جیسے درویش چلہ کاٹ رہا ہے
آج یہ تجھے کالا چور نظر آ رہا ہے"

خوشامدی نے دست بستہ عرض کی

"حضور! بندہ آپ کا غلام ہے کسی بینگن کا نہیں"

نبّاضِ فطرت

ایک دفعہ حضرت صاحب مسجد مبارک ربوہ میں عصر کی نماز کے بعد بیٹھے ہوئے تھے، اس دوران مولانا ابوالعطا صاحب مرحوم نے عقیدت کے تحت اخبار سے حضور کے سامنے سے مکھیاں اڑانی شروع کر دیں۔ اس پر حضور نے قدرے ناگواری سے کہا

"مولوی صاحب پیچھے ہٹیں، مجھے خوشامد پسند نہیں ہے"

مولانا ابوالعطا صاحب مرحوم سلسلہ کے ایک نامور اور صفِ اوّل کے عالم تھے اور حضور نے انہیں خالد کا خطاب دے رکھا تھا۔ دراصل حضور لوگوں کو یہ احساس دلانا چاہتے تھے کہ خوشامد میرے لئے ناقابلِ برداشت چیز ہے۔ ایک ماہر نفسیات کی حیثیت سے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ ایسی متعدی اور مہلک بیماری ہے کہ ایک سے دو، دو سے چار اور پھر ایک ٹولہ خوشامدیوں کا بن جاتا ہے جس کے ہاتھوں ملک، قوم اور جماعت پر بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

حضورؓ ۱۹۵۵ء میں دورۂ یورپ میں ایک اجتماع سے خطاب کر رہے ہیں
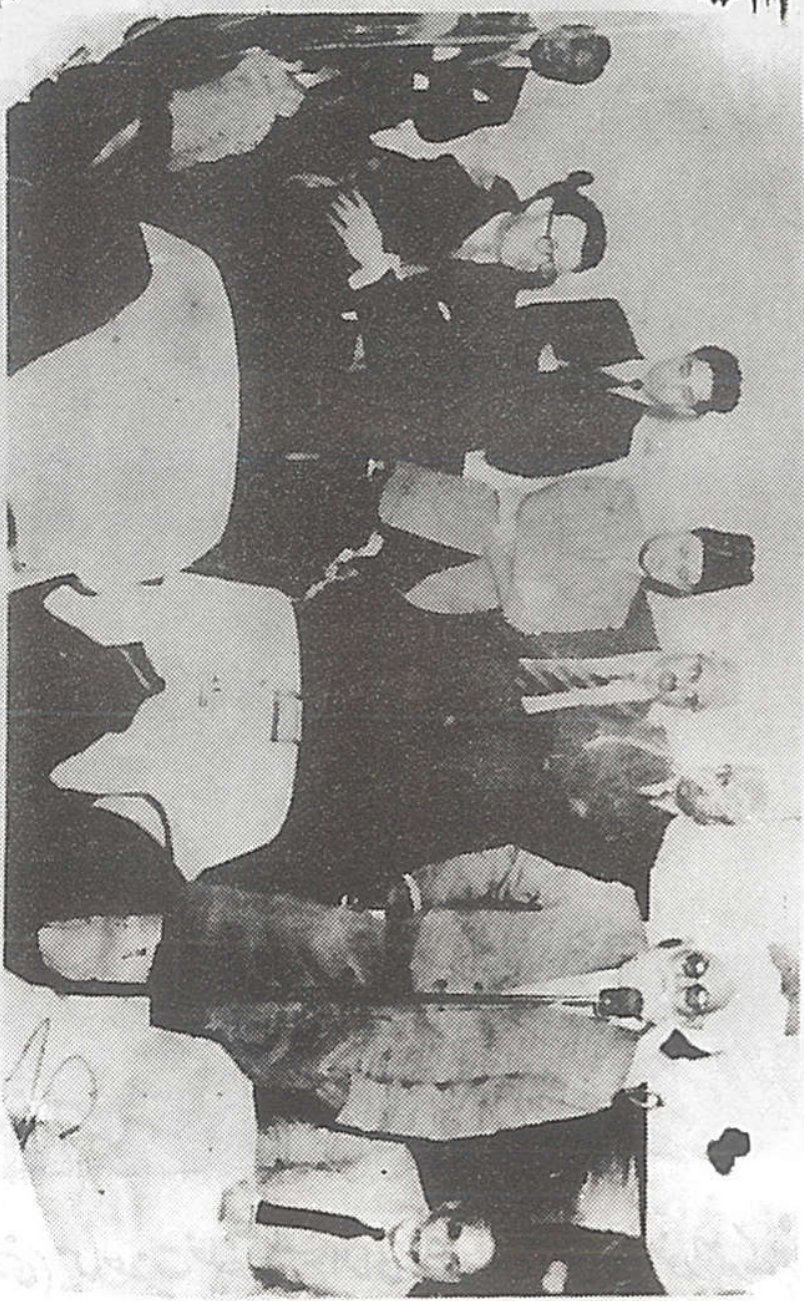
ہیمبرگ (مغربی جرمنی) میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی، صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد کے ہمراہ

احبابِ جماعت

بے پناہ محبّت

- خنجرِ قاتل
- خانِ دلاور خان
- نذرانہ
- جینا مرنا ساتھ ساتھ
- محبّت فاتحِ عالم
- فاصلے اور قربتیں
- نمازِ جنازہ

خنجرِ قاتل

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ جب مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو آپکی عمر اس وقت تقریباً ۲۵ سال تھی۔ یہ عمر جوانی کے شباب کی ہوتی ہے جہاں انسانی خواہشات سینے میں مچلتی ہیں، جہاں دنیا کی رعنائی و حسن کو دیکھ کر دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی ہیں، جہاں جوانی کا منہ زور گھوڑا، اقدار و روایات، تہذیب و تمدن کی حائل کردہ اونچی دیواروں کو پھاند کر آزاد ہونا چاہتا ہے۔ مگر آفرین ہے اس عزم و ایثار کے پیکر اور تقویٰ و کردار کے مجسمہ پر جس نے دین کی خاطر اپنی ساری دنیا تج دی اور نخلِ جماعت کی آبیاری اپنے گرم گرم جوانی کے خون سے کی اور افرادِ جماعت سے بے پناہ محبت کی۔ جوانی کے اس بھرپور دور کو صرف اور صرف اسلام کی ترقی اور عروج کے لئے صرف کر دیا اور انسانیت کی مانگ اپنے لہو سے سجا دی۔

ہاں! میں اس واقعہ کا چشم دید گواہ ہوں کہ جب یہ معصوم، بے لوث خدمت گزار ساری دنیا کا درد اپنے سینہ سے لگائے عصر کی نماز کا سلام پھیر کر اٹھتا ہے تو نمازی کے بھیس میں آئے ہوئے ایک عاقبت نا اندیش اور بدبخت قاتل کا خنجر ہوا میں لہراتا ہوا گردن پر اس شدت سے چلتا ہے کہ شہ رگ صرف بال کے فاصلے سے بچ جاتی ہے، مگر آفرین کہ جان کنی کے اس عالم میں اس عظیم ہستی نے اپنے قاتل کے بارے میں خدام کو یہی حکم دیا کہ اسے کوئی گزند نہ پہنچائی جائے۔ آج بھی اس کے مقدس

پیراہن میں رچا ہوا خون اس کی عظمت اور فدائی ملّت ہونے کی شہادت دے رہا ہے۔ وہ فدائی جس نے اسلام اور انسانیت کیلئے فی الواقعہ اپنا لہو دے دیا اور قاتل کو معاف کر کے خلافتِ راشدہ کی تاریخ ازسرِ نو زندہ کر دی۔

(اس حملہ کے دوران آپ نے جو کپڑے پہنے ہوئے تھے اور جو کوٹ سے لے کر بنیان اور شلوار سے جراب تک سارے خون سے بھر گئے تھے وہ میرے ہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے محفوظ ہیں)

شاید نئی نسل اسے مبالغہ آرائی سمجھے مگر یہ ایک حقیقت ہے اور حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا، میں چند واقعات درج کرتا ہوں اور ایسے بھی سینکڑوں واقعات ہوں گے جو میرے علم میں نہیں لیکن انسانی محبت کی تاریخ انہیں ہر موڑ پہ دہرائے گی۔

خان دلاور خان

۱۹۵۷ء میں قیامِ مری کے دوران میں حضورؓ کو معلوم ہوا کہ خان دلاور خان پر فالج کا حملہ ہوا ہے اور وہ بہت بیمار ہیں۔ حضور نے مجھے بلایا اور کہا

"رفیق! یہ دوائی میں نے خاص طور پر خان دلاور خان صاحب کے لئے بنوائی ہے تم جا کر دوائی کی ایک خوراک خود اپنے سامنے کھلانا اور باقی حسب ترکیب کھانے کیلئے دے آنا، میری طرف سے سلام بھی کہنا اور یہ بھی کہ گھبرائیں مت، میں ان کے لئے دعا بھی کر رہا ہوں"۔

نذرانہ

ہمارے ایک احمدی نوجوان عزیزم محمود اللہ مودی نے مجھے اپنا ایک واقعہ سنایا

قادیان کا واقعہ ہے میں ابھی بچہ ہی تھا۔ میری والدہ ایک مرتبہ حضور رض سے ملنے گئیں اور ساتھ مجھے بھی لے گئیں۔ اس وقت حضرت صاحب اپنے دفتر کی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ والدہ نے حضور کو دعا کیلئے کہا، کچھ باتیں کیں اور پھر حضور دفتر کی طرف روانہ ہو گئے۔ میری والدہ نے مجھ سے کہا کہ محمود تم یہ پانچ روپے حضرت صاحب کو نذرانہ دے دو۔ مجھ پر ایسی بال ہٹ سوار ہوئی کہ میں نذرانہ دینے کیلئے تیار نہ ہوا۔ اس پر میری اور والدہ کی بحث ہونے لگی، وہ بڑے غصے سے کہتیں کہ نذرانہ دو اور میں اس پر بضد رہا کہ نہیں دوں گا۔ حضور نے ہم دونوں کی تکرار کو سن لیا اور آخری سیڑھی سے مڑ کر پوچھا

"کیا بات ہے"

میری والدہ نے کہا

"حضور! بچہ نذرانہ دینا چاہتا ہے"

میں نے اس پر بلند آواز سے کہا

"حضور! میں نہیں دینا چاہتا"۔

اس پر حضرت صاحب مسکرائے، دوبارہ نیچے آئے اور اپنی جیب سے دس روپے کا نوٹ میرے ہاتھ میں دے کر کہنے لگے

"محمود تمہارا نذرانہ مجھے مل گیا۔ اب میری طرف سے یہ تحفہ رکھ لو"۔

اس کے بعد برصغیر تقسیم ہو گیا۔ ایک عرصہ گزرنے کے بعد، ایک دفعہ حضور کراچی تشریف لائے، جماعت ملاقات کر رہی تھی، میں بہت پیچھے کھڑا تھا۔ نہ معلوم کس طرح حضور کی نگاہ مجھ پر پڑی، قدرے بلند آواز سے بولے

"محمود! پیچھے کیوں کھڑے ہو، آگے آجاؤ کیا ڈر لگتا ہے کہ کہیں نذرانہ نہ دینا پڑے"۔

مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے کہ اُس وقت میں بچہ تھا اور اب جوان، بچپن اور جوانی کی شکلوں میں بڑا فرق پڑ جاتا ہے مگر دیکھو کہ آپ کو جماعت کے ہر فرد سے اس قدر گہرا انس ہے کہ ایک دفعہ دیکھی ہوئی شکل زندگی بھر نہیں بھولتے خواہ گردش ایام چہرے کے خدوخال کتنے ہی بدل دے۔

جینا مرنا ساتھ ساتھ

پنجاب پر فرقہ وارانہ فسادات کے مہیب بادل چھائے ہوئے تھے، امن وسلامتی کے محافظ کہلانے والے، ایک کلمہ گو، عشقِ الٰہی، محبت رسول اللہؐ سے معمور، چھوٹی سی، بے ضرر، ملک وقوم سے وفادار جماعت پر نفرت وحقارت، ظلم وستم کے پہاڑ ڈھا رہے تھے، ہر طرف آہ وبکا تھی، وہ خون جو اس جماعت کے جیالوں نے قیام پاکستان اور قلعہ محمدیؐ کی حفاظت کے لئے بہایا تھا، آج اپنے ہی بھائیوں اور ہم وطنوں کے ہاتھوں ان شاہینوں کا خون بہہ رہا تھا۔ ان مظلوموں کی جبینیں تاریک وتار راتوں میں بھی خدا کی چوکھٹ پر اس کی تائید ونصرت کو پکار رہی تھیں ۱۹۵۳ء کا یہ وقت جماعت کے لئے بڑے امتحان کا وقت تھا، ملکی

قانون اپنی افادیت کھو چکا تھا اور جنگل کا قانون مسلّط تھا۔

اس دوران چوہدری عبداللہ خان مرحوم نے ایک وفد کراچی سے پنجاب بھجوایا جس نے حضورؓ سے درخواست کی کہ آپ سندھ آ جائیں، سندھ گورنمنٹ مکمل حفاظت کا یقین دلاتی ہے۔ جب یہ وفد حضور کو ملا حضرت صاحب نے یہ بات سن کر کہا، آپ ٹھہریں، میں ابھی آیا اندر گئے، سجدہ ریز ہوئے، باہر آئے اور کہا:

"چوہدری صاحب کو میرا شکریہ ادا کر دیں، میں پنجاب میں رہنے والے احمدیوں کو بے سہارا چھوڑ کر نہیں آسکتا، اگر ان کا خون اس سرزمین پر گرے گا تو میرا خون بھی اسی مٹی میں جذب ہوگا۔"

ایسے مخدوش حالات میں عام طور پر لیڈر حضرات کی حفاظت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے حکمت کے پیشِ نظر نقلِ مکانی کر لیتے ہیں، مگر آپ نے اس دعوت کو اپنے جذبۂ محبت کی بناء پر ٹھکرا دیا۔

محبّت فاتح عالَم

جماعت اپنی نوّے سالہ تاریخ میں نشیب و فراز سے گزرتی رہی ہے، سخت سے سخت وقت بھی آیا جب مخالفین نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ اس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں اور ہمیشہ ہمیش کے لئے نابود کر دیں۔

کچھ ایسا ہی وقت ۱۹۵۳ء میں آیا جب کہ پنجاب گورنمنٹ اور مخالفین اس بات کا تہیّہ کر چکے تھے کہ خدا کے اس لگائے ہوئے پودے کی بیخ کنی کر دی جائے، مگر اس کشتی کا کھیون ہار محمود تھا۔ ایک اور محمود تاریخ میں ملتا ہے، جس نے سومنات کے بُت پاش پاش کر دیئے تھے، ایک یہ

محمود بھی تاریخ کے صفحات پر نمایاں نظر آتا ہے جس نے تثلیث کے بت ریزہ ریزہ کر دیئے، بھلا وہ اس طوفان سے ڈرنے والا کہاں تھا۔ بالآخر یہ شور و غوغا بلبلۂ آب کی طرح بیٹھ گیا۔

فاصلے اور قربتیں

اسی سال جب جلسہ سالانہ پر پہرے کے غیر معمولی انتظام کئے گئے تھے، سٹیج کو کچھ اس طرح ترتیب دیا گیا کہ سامعین سٹیج سے تقریباً ۵۰ گز دور بیٹھیں اور بیچ میں رسیوں اور پہریداروں کا جال بن دیا گیا تھا۔

حضرت صاحب افتتاحی تقریر کے لئے جلسہ گاہ تشریف لائے، محبت کی لڑی میں پروئے جانے والے ان قیمتی دانوں کو یوں دور بکھرے ہوئے پایا، شفقت پدری یہ کہاں برداشت کرتی۔ بڑے جلال سے کہا کہ منتظمین نے میری حفاظت کے لئے آپ کو مجھ سے دور کر دیا ہے، سال کے بعد کہیں موقع ملتا ہے، جتنا پیار و محبت آپ کو مجھ سے ہے اور مجھ کو آپ سے یہ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے، پس ان رسیوں کو توڑ دو اور میرے قریب آجاؤ۔

آپ کا یہ کہنا تھا کہ لوگ دیوانہ وار کودتے، پھلانگتے سٹیج کے قریب آنے لگے۔ یہ عجیب سماں تھا کہ ہر ایک دوسرے سے آگے نکل کر آپ کے قریب آجانا چاہتا تھا، جیسے پروانے شمع پر نثار ہو رہے ہوں، یہ تھی محبت آپ کو اپنی جماعت سے، ابھی تو چاقو کا زخم بھی مندمل نہ ہوا تھا مگر اس مرد مجاہد کو کیا پرواہ تھی وہ تو ایسے سینکڑوں زخم ہر وقت اپنے سینے پر کھانے کو تیار تھا۔ خدا کے لئے، خدا کے بھیجے ہوئے مسیح کے لئے اور

مسیح کی اس جماعت کے لئے۔ وہ کیسے برداشت کرسکتا تھا کہ اس جماعت کو رسیوں کی باڑ لگا کر دور کر دیا جائے۔

جماعت سے آپ کی محبت کے عجیب نظارے دیکھنے میں آتے ہیں کبھی شفقتِ مادری ہے تو کبھی الفتِ پدری۔ بس یوں لگتا ہے کہ مرغی پروں کے نیچے بچوں کو ہر ناگہانی آفت سے بچانے کے لئے ہمہ تن تیار بیٹھی ہے مجال ہے کہ کوئی غیر ٹیڑھی نگاہ سے دیکھ بھی لے۔ کبھی کسی کی تکلیف کا علم ہو گیا تو ساری رات کرب میں ٹہلتے گزری جب تک اس کی طرف سے اطمینان نہ ہو گیا۔ تحفظ اور مضبوط پشت پناہی کے لازوال احساس سے افرادِ جماعت مالا مال ہیں اور ہر ایک یہی سمجھ رہا ہے کہ حضورؒ کو جتنا پیار مجھ سے ہے اور کسی سے نہیں، جس سے پوچھو تو یہی جواب دے گا۔

نمازِ جنازہ

امیر جماعت قادیان مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ کے بھانجے شیخ بشیر احمد صاحب نے بیان کیا کہ جتنا پیار حضور کو مجھ سے تھا اور کسی سے بھی نہ تھا، یہ کہہ کر فرمانے لگے کہ میں ایک واقعہ سناتا ہوں:۔

قادیان میں ہمارے ایک عزیز کی میت آئی، میں نے پرائیویٹ سیکرٹری کے دفتر سے حضور کو اطلاع کروائی کہ حضور جنازہ پڑھا دیں، اس پر جواب آیا کہ حضرت صاحب کو نقرس کی شدید تکلیف ہے اور حضور نے فلاں آدمی کو کہا ہے کہ وہ نماز جنازہ پڑھا دیں۔ کہنے لگے مجھے یہ سن کر بڑا رنج ہوا اور میں پرائیویٹ سیکرٹری کے دفتر کے صحن میں کھڑے ہو کر زور زور سے رونے لگا اور حضور حضور کہنا شروع کر دیا

حضرت صاحب برآمدے میں آئے اور کہنے لگے

"بشیر کیا بات ہے"

میں نے کہا کہ حضور میرے خاندان کی میّت آئے اور نماز جنازہ کوئی اور پڑھائے۔ آپ نے کمال شفقت سے فرمایا

"اچھا دوستوں کو یہیں اکٹھا کرلو، میں خود جنازہ پڑھا دوں گا۔"

شیخ بشیر صاحب کہنے لگے کہ میں تو خوشی سے نہال ہو گیا، اسی وقت دوستوں کو بلایا گیا اور جب سب اکٹھے ہو گئے اور میّت بھی آگئی تو حضرت صاحب کو اطلاع دی گئی۔ آپ بڑی مشکل سے تکلیف کی حالت میں لاٹھی کے سہارے نیچے آئے۔

شیخ بشیر احمد صاحب کہنے لگے کہ جب میں نے آپ کو اس حال میں دیکھا تو بڑا رنج ہوا کہ ناحق میں نے حضورؓ کو تکلیف دی مگر اب حضرت صاحب آچکے تھے، جنازہ پڑھا تو حضورؓ سے مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ نے وصیّت کے متعلق عرض کیا کہ کچھ بقایا ہے۔ آپ نے فرمایا کتنا! انہوں نے بتلایا۔ اس پر آپ نے پرائیویٹ سیکرٹری سے کہا کہ کاغذ قلم لاؤ، جب کاغذ قلم حاضر کیا گیا تو آپ نے کاغذ پر ایک چیک لکھ کر دے دیا کہ میری ذاتی امانت سے یہ روپیہ نکال لیا جائے، اس روپے سے ان کا حساب بے باق کر دیا جائے اور بہشتی مقبرہ میں دفن کا انتظام کیا جائے۔

جنہوں نے یہ نظارہ دیکھا ہوگا ان کے دل آپ کی محبّت سے چھلک گئے ہوں گے۔ یہ تھا آپ کا اپنی جماعت سے غیر معمولی انس، خود پر مصائب اور تکالیف کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں مگر پیروں کے نیچے

دیئے ہوئے بچوں تک زمانہ کے بے رحم پنجے نہ پہنچ سکیں۔ پس مصوّرِ قدرت نے کمال مہارت اور مناسبت سے آپ کی سیرت میں بے انتہا خوبصورت رنگ بھرے تھے۔ آپ کی شخصیت کو اخلاقِ فاضلہ کے مکمل ترین سانچہ میں ڈھالا تھا۔ ہر پہلو یوں جگمگا رہا تھا جس طرح کوہ نور سے منعکس ہوتی ہوئی حسین شعاعیں۔

اخلاقِ فاضلہ کے اس مجسمہ پر روشنی ڈالنے کے بعد اب میں آخری باب غیرتِ دینی پر مختصراً لکھ کر کتاب ختم کروں گا۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ ہمیں آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مسجد فضل لندن کا سنگ بنیاد رکھ رہے ہیں

کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا

خوشا اس جماعت کا رہبر ہے تو

صہبا اختر

ثریا جناب و فلک بارگاہ
تجلّی نژاد و تجلّی پناہ

مسیحائے موعودؑ کے جانشیں
سراپا عقیدت، مجسّم یقیں

ہمہ عاشقی و ہمہ آرزو
مثالِ صبائے چمن مشکبو

مبارک ہے تفسیر اس خواب کی
کہ جس میں تجلّی تھی مہتاب کی

مبارک تھا وہ سبز رنگ اشتہار
کہ جس سے تھی آمد تری آشکار

کہ جس میں تھے روشن ترے خدّوخال
یہ شوکت یہ عظمت یہ جاہ و جلال

یہ گیسو یہ خوش رنگ چہرے کا روپ
چھپے جسطرح سنبلستاں سے دھوپ

یہ خوددار آنکھوں کے روشن کنول
یہ ہمت شجاعت تجسّس عمل

یہ علم و صداقت یہ جود و سخا
یہ تاب و تحمّل یہ صبر و رضا

یہ عدل و اخوّت یہ منصف مزاج
مسیحا نفس بن کے سب کا علاج

گہے برگ و گل گاہے ماہ و نجوم
مسیحائے انفاس کا یہ ہجوم

غنی ہو گئے کتنے نادار لوگ
شفا پا گئے کتنے بیمار لوگ

نگاہِ پیمبر میں خورسند تو
اولوالعزم فرزندِ دلبند تو

جو مشہور و معروف ہے کُو بکُو
اسی پیشگوئی کا حاصل ہے تو

اسی پیشگوئی کا فیضان ہے
کہ تو صاحبِ جذب و عرفان ہے

کہ تو کاشفِ راز و اسرار ہے
بیک رنگ کردار و گفتار ہے

مبارک جہاں کو قیادت تری
مبارک دلوں پہ حکومت تری

افق تا افق شان و عظمت تری — زمیں کے کناروں پہ شہرت تری
کمال و محمد علی، مستری — کئی اور اس طرح کے سازشی
کئی دشمنانِ تب و تابِ دیں — چھپاتے ہوئے دل میں صد بغض و کیں
کئی خانۂ چشم و دل کے مکیں — کئی مارِ پوشیدہ در آستیں
بڑھے تیری عظمت کو للکارنے — بڑھے دوست بن کر تجھے مارنے
تجھے دشمنِ دیں نے زخمی کیا
زمیں نے ترا خون بھی چکھ لیا
بلائیں ترے حوصلوں نے سہیں — اٹھیں آندھیاں خاک ہو کر رہیں
ترے ساتھ مرضیٔ مولیٰ رہی — طویل عمری فضلِ عمر سے ملی
یہ تیری ہی صحبت کا فیضان ہے — یہ تیرا ہی ملت پہ احسان ہے
کہ تیرے رفیق اور ترے جانشیں — جنہیں مال و دولت کا لالچ نہیں
جنہیں خدمتِ دیں کے الزام میں — الجھنا پڑا ظلم کے دام میں
جنہیں جہل کی ظلمتیں بھی ملیں — جنہیں کفر کی وحشتیں بھی ملیں
جنہیں نذرِ زنداں بھی ہونا پڑا — جنہیں جاں سی شے کو بھی کھونا پڑا
بصارت چھنی اور زباں بھی سلی — سزا سنگساری کی جن کو ملی
رہے جن کے قلب و جگر پاش پاش — کفن کو ترستی رہی جن کی لاش
شہیدوں کا خوں رنگ لا کے رہا — ہر اک دل میں شوقِ شہادت رہا
جلی شمعِ حق انجمن انجمن — مہک پھیلی دیں کی چمن در چمن
محبت کے شعلے بھڑکتے رہے — تشدد اندھیروں کے گھٹتے رہے
محبت کے پروانے کس شان سے — محمد کے دیوانے کس شان سے
ز امریکہ و مصر تا خاکِ چیں
نئے پھر رہے ہیں محمد کا دیں
قدم رکھ دیئے خانۂ غیر میں — تراشے حرم ایک اک دیر میں

جہاں آج تک تھا ہجوم بتاں | وہاں اٹھ رہی ہے صدائے اذاں
کبھی "مالکانہ" کے ویرانوں میں | کبھی مصر کے آئینہ خانوں میں
گئے روس کے قلب فولاد میں | گئے افریقہ غنیمہ آباد میں
کئے نقش تحریر اسلام کے | تصدق محمد کے اسلام کے
جہاں اجتماع مذاہب ہوا | وہاں تو نے پیغام حق کا دیا
اسی شوق میں پیر و انبیاء | سفر تو نے برطانیہ کا کیا
در و بام گونج اٹھے تقریر سے | محبت کی پاکیزہ تحریر سے
وہ "بیت الدعا" کی دعائیں سنے | مسیح دگر کی صدائیں سنے
جہاں مختلف دیں کی تصویر تھی | وہاں تو نے مسجد بھی تعمیر کی
یہ تیری مساعی کا انعام ہے | جہاں واقف دینِ اسلام ہے

نہ میں احمدی ہوں نہ غیر احمدی
کہ ایماں ہے میرا بشر دوستی

میں اک شاعر بے نوا ہوں جسے | زمانہ غلام محبت ہے کہے
"بہ عشق محمد مخمر" ہوں میں | جو یہ کفر ہے سخت کافر ہوں میں
تکلف سے خاموش ہرگز نہیں | میں احساں فراموش ہرگز نہیں
مجھے اعتراف حقیقت میں ڈر! | خدا کی قسم میں نہیں کم نظر
اندھیروں سے جب تھے مرے دن ملے | مجھے اس جماعت میں محسن ملے
وہ محسن جنہیں عین انساں کہیں | محبت کا بے تاب طوفاں کہیں
کسی بھی عوض کے جو خواہاں نہیں | جنہیں یاد خود اپنے احساں نہیں

عندلیبانِ دیں کا مقدر ہے تو
خوشا اس جماعت کا رہبر ہے تو

منقول از "روح القدس کے موسیقار" صفحہ ۱۵۸

غیرتِ دینی

- پشت پناہ
- چندریگر، عرش سے فرش پر
- مسلّمات دینی
- جِنّ
- قاتلانہ منصوبہ
- آسمانی بادشاہت کے موسیقار

○

اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَیَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا۔ (الاحزاب)

(یہی سنّت پہلے گزرے ہوئے پیغمبروں میں جاری تھی) جو اللہ کے پیغام لوگوں کو پہنچا دیتے تھے اور اس سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور حساب لینے میں اللہ کافی ہے۔

یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْھَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (المنٰفقون)

ترجمہ:۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹ کر گئے تو جو مدینہ کا سب سے معزز آدمی ہے وہ مدینہ کے سب سے ذلیل آدمی کو اس سے نکال دیگا اور عزت اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کو ہی حاصل ہے لیکن منافق جانتے نہیں۔

تاریخِ احمدیت

خدا نے مجھے اس مقام پر کھڑا کیا ہے کہ خواہ مخالف مجھے کتنی ہی گالیاں دیں، مجھے کتنا ہی برا سمجھیں، بہر حال دنیا کی کسی بڑی سے بڑی طاقت کے اختیار میں بھی نہیں کہ وہ میرا نام اسلام کی تاریخ کے صفحات سے مٹا سکے۔ آج نہیں! آج سے چالیس پچاس، بلکہ سو سال کے بعد تاریخ اس بات کا فیصلہ کرے گی کہ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ صحیح کہا تھا یا غلط میں بے شک اس وقت موجود نہیں ہوں گا مگر جب اسلام اور احمدیت کی تاریخ لکھی جائے گی تو مورخ اس بات پر مجبور ہوگا کہ وہ اس تاریخ میں میرا بھی ذکر کرے۔ اگر وہ میرے نام کو تاریخ کے صفحات سے کاٹ ڈالے گا تو احمدیت کی تاریخ کا ایک بڑا حصہ کٹ جائے گا، ایک بہت بڑا خلا واقع ہو جائے گا جس کو پر کرنے والا کوئی نہیں ملے گا۔

(تقریر جلسہ سالانہ ۲۸ دسمبر ۱۹۶۰ء)

پشت پناہ

ملت کا یہ فدائی، عزم و ہمت کی چٹان، نڈر، بہادر، جرأت قلندرانہ کا مالک، طوفانوں سے کھیلنے والا، پہاڑوں سے ٹکر لینے والا، جس کے آگے کجکلاہوں کی جبینیں سرنگوں ہو جاتی تھیں اور سلاطین جن کو ناز تھا کہ ہماری سلطنت پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا ان کو گھٹنے ٹیکتے چشم فلک نے دیکھا۔

آپ نے ہر میدان میں مخالف کو للکارا، شخصیات تو کجا حکومتوں کے درو دیوار ہل گئے، آپ نے جماعت کو مصلحتوں کے غلافوں میں چھپا کر نہیں رکھا، جہاں مصلحتوں کی ضرورت تھی مصلحت سے کام لیا، جہاں غیرت دینی کا سوال پیدا ہوا وہاں اس طرح باہر نکلے جس طرح شیر دھاڑتا ہوا کچھار سے باہر نکلتا ہے اور جماعت کو ساتھ ہی یہ نوید سنائی کہ گھبراؤ مت، تمہاری پشت پر میں ہوں اور میری پشت پر قادر و توانا، جبّار و قہار خدا ہے جو ہر وقت میری مدد کو جب میں اس کے سامنے دوزانوں ہوتا ہوں دوڑا چلا آتا ہے۔

ایک ایسے ہی وقت میں جب جماعت انتہائی مایوس کن حالات سے دوچار تھی۔ کہیں سے امید کی کرن نظر نہ آتی تھی، سرخ آندھی دامن میں خون اور آگ لئے اُفق سے نمودار ہو رہی تھی، تب اسلام کے اس سپوت کی گرج سنائی دیتی ہے، آئیں ہم بھی سنیں کہ پر رعب و پر شوکت آواز کیا کہہ رہی ہے:۔

"برادران!

الفضل ایک سال کے لئے بند کر دیا گیا ہے، احمدیت کے باغ کو ایک ہی نہر لگتی تھی اس کا پانی روک دیا گیا ہے۔ پس دعائیں کرو اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو، اس میں سب طاقتیں ہیں، ہم مختلف اخباروں یا خطوں کے ذریعہ سے آپ تک سلسلہ کے حالات پہنچانے کی کوشش کرتے رہیں گے اور انشاء اللہ آپ کو اندھیرے میں نہیں رہنے دیں گے، آپ بھی دعائیں کرتے رہیں میں بھی دعا کرتا ہوں، انشاء اللہ فتح ہماری ہوگی۔ کیا آپ نے گزشتہ چالیس سالوں میں کبھی دیکھا ہے کہ خدا نے مجھے چھوڑ دیا ہو، ساری

دنیا مجھے چھوڑ دے مگر وہ انشاء اللہ مجھے کبھی نہیں چھوڑے گا، سمجھ لو کہ وہ میری مدد کو دوڑا آرہا ہے، وہ میرے پاس ہے وہ مجھ میں ہے خطرات ہیں اور بہت ہیں مگر اس کی مدد سے سب دور ہو جائیں گے، تم اپنے نفسوں کو سنبھالو اور نیکی اختیار کرو، سلسلہ کے کام خدا خود سنبھالے گا۔"
(الفاروق ۔ ۴ر مارچ ۱۹۵۳ء)

اسلام کا یہ جیالا، عقل و فراست کا مخزن خوب جانتا ہے کہ کہاں مصلحت سے کام لینا ہے اور کہاں بلند حوصلے سے آگے بڑھ کر دشمن پر کاری ضرب لگانی ہے۔

ع دگر استاد را نامے نہ دانم ۔ کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ (حضرت مسیح موعودؑ)

آپ مدرسہ محمدیہ کے فارغ التحصیل غازی ہیں جنہوں نے دشمن کے دانت ہر محاذ پر کھٹے کئے اور لوائے اسلام کو ساری دنیا میں بلند کیا، عیسائیت کے سینہ میں اسلام کا جھنڈا گاڑا، مصلحت اور غیرت کا امتیاز کرنا ہو تو آؤ صلح حدیبیہ کی طرف لوٹ چلیں ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے جھرمٹ میں تشریف فرما ہیں، کفار کا ایک وفد مکہ معظمہ سے آیا ہوا ہے اور صلح کی شرائط طے ہو رہی ہیں ۔ معاہدہ مکمل ہو جاتا ہے اور اس کے آخر میں دستخط اور مہر ثبت ہوتی ہے "محمد رسول اللہ" ۔ اس پر کفار اعتراض کرتے ہیں کہ رسول اللہ کو ہم مان گئے تو پھر جھگڑا کیا ۔ اس لئے صرف محمد لکھو، رسول اللہ کاٹ دو ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کاتب صحابی سے فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ" کے الفاظ کاٹ دو، مگر صحابی کہتے ہیں ۔ یا رسول اللہ! ہم اس کو کاٹنے کے مجاز نہیں ہیں ۔ آخر مصلحت

اندیشی کی بناء پر حضورؐ خود وہ لفظ مٹا دیتے ہیں، حالانکہ خدا کہتا ہے کہ آپ رسول ہیں اور دنیا کی کسی طاقت کی مجال نہیں کہ وہ محمد کے نام سے رسول اللہ کو کاٹ دے، مگر وقت کا تقاضا اور مصلحت تھی۔

ابھی اس معاہدہ کو لکھے چند لمحے گزرے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مشہور ہو گیا کہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ یہ خبر آپ کے لئے انتہائی صدمہ کا باعث بنتی ہے اور رگِ حمیتِ دینی بھڑک اٹھتی ہے۔ آپ ایک درخت کے سائے میں کھڑے ہو کر صحابہ کو جمع ہونے کا حکم دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ جو صلح کے پیغامبر بن کر گئے تھے، کفار نے ان کو شہید کر کے جہاں عہد کو توڑا ہے وہاں ہماری غیرت کو بھی للکارا ہے، آج تم میں سے جو میرے ہاتھ پر موت کی بیعت کرنا چاہتا ہے وہ آگے آئے اور یہ فیصلہ کرے کہ اس حق و باطل کی جنگ میں زندہ نہیں، مر کے آنا ہے۔ آپ کا ارشاد سننا تھا کہ صحابہ انتہائی جوش و جذبے سے ایک دوسرے سے بڑھ کر رسول اللہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ اس واقعہ کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں، یعنی جہاں مصلحت اس بات کی متقاضی تھی وہاں مصلحت سے کام لیا گیا، جہاں خون کی ضرورت تھی وہاں خون کی ندیاں بہانے کا عہد لیا گیا۔

سورۂ منافقون میں خدا نے مومنوں کو ایک مستقل سبق دیا ہے کہ مومن پیر و مرشد کے خلاف بدزبانی سنے تو اس کے سینہ میں اس وقت ٹھنڈ پڑتی ہے جب وہ اپنی غیرت کا اظہار کرے۔ اسی طرح سورۂ احزاب میں بھی اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ اس جہان میں صرف اور صرف خدا کی بادشاہت ہے اور اس کے بندے کسی سے نہیں ڈرتے خواہ کتنی بڑی طاقت ہو وہ تو صرف اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اسی کے آگے گردنیں جھکاتے ہیں۔

چندریگر عرش سے فرش پر

چندریگر گورنر کی حیثیت سے پنجاب پر راج کر رہا تھا اور پنجاب میں جگہ جگہ فسادات کا دھواں اٹھ رہا تھا، چندریگر نے خلیفۃ المسیح الثانی کی خانہ تلاشی کے لئے ربوہ میں پولیس بھجوائی۔ حضور گھر سے نکل کر برآمدے میں بیٹھ گئے اور کہا

"جو تلاشی لینی ہے، اندر جا کر لے لیں"۔

جب تلاشی ختم ہوئی اور ایس پی واپس جانے لگا تو حضور نے اسے مخاطب ہو کر فرمایا:

"چندریگر سمجھتا ہے کہ میری گردن اس کے ہاتھ میں ہے، اس کو کہہ دینا کہ اس کی گردن میرے خدا کے ہاتھ میں ہے۔ آپکی آواز میں وہ تمکنت اور رعب تھا کہ ایس پی کانپ اٹھا اور کہنے لگا۔

"حضور! ہم سے کوئی گستاخی ہوگئی ہو تو معاف فرمائیں"۔

آپ نے کہا

"نہیں! آپ کا کیا قصور ہے، آپ نے تو اپنا فرض ادا کیا ہے"۔

خدا نے چند روز میں چندریگر کو گردن سے پکڑا اور عرش سے فرش پر دے مارا۔

مسلّمات دینی

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور پہاڑ پر رہائش پذیر تھے اور وہاں سے ایک قافلہ پکنک کیلئے حضور کے ساتھ جا

رہا تھا۔ قافلہ کے افراد پہاڑی ٹٹو پر سوار تھے، ایک ٹٹو پر آپکی زوجۂ محترمہ بھی بیٹھی ہوئی تھیں اور وہ ٹٹو ضرورت سے زیادہ سست اور کاہل تھا اتنے میں حضور نے آواز دی

"ٹٹو کو چلاتی کیوں نہیں" ؟

انہوں نے کہا

"یہ نہیں چلتا، استخارہ کر رہا ہے"

استخارہ کا لفظ خدا سے منسوب ہوتا ہے، اس پر حضور کو سخت جلال آیا اور غصہ سے فرمایا۔

"اس لفظ کا مذاق اڑایا گیا ہے، حالانکہ یہ خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے تم اتر جاؤ اور اب ہمارے ساتھ پھینک پر نہیں جاؤ گی چنانچہ وہ نہیں گئیں۔ ایک غیرت مند دل نے یہ برداشت نہ کیا کہ کوئی مزاح کے رنگ میں بھی مسلمات دین کو ہدف بنائے خواہ یہ فعل کتنا نادانستہ طور پر سرزد ہوا ہو۔

مومن غیرت دینی کی وجہ سے نڈر ہوتا ہے۔ وہ دنیا کے بڑے سے بڑے خطرہ کو خاطر میں نہیں لاتا۔

ہندوستان تقسیم ہو رہا تھا اور جگہ جگہ بلوے ہو رہے تھے، ان پرفتن اور پرآشوب ایام میں ایک دل مسلمانوں کی حفاظت، ترقی و بہبودی اور ان کی سلامتی کے لئے مضطرب تھا۔

جن

قادیان سے چند کوس دور ایک گاؤں میں مشہور ہو گیا کہ رات کو جن

آتا ہے۔ ایک دن گاؤں کے افراد جمع ہوتے اور جن کا ذکر ہوا تو ایک لمبا تڑنگا سکھ کہنے لگا کہ میں اس جن کو پکڑ لوں گا۔ رات بھیگی جا رہی تھی اور جھاڑیوں کی اوٹ میں وہ کڑیل سکھ چھپا جن کا انتظار کر رہا تھا۔ اتنے میں اس نے دیکھا کہ رات کے اندھیرے ایک ہیولا سا ابھرا، جب شکل وصورت نمایاں ہوئی تو دیکھا کہ یہ مرزا بشیر الدین محمود تھے جو ایک ہاتھ میں لالٹین اور دوسرے میں جائے نماز پکڑے ہوتے آئے۔ آپ نے جائے نماز بچھائی تو وہ سکھ دوڑتا ہوا آیا اور آپ کے قدموں میں جا گرا۔ اس نے سارا واقعہ سنایا۔ آپ نے اس سے کہا کہ وعدہ کرو، کہ کسی کو یہ نہ بتاؤ گے، مگر میں آئندہ سے اپنی جگہ تبدیل کر لوں گا۔

کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اتنی بڑی جماعت کا لیڈر، تن تنہا رات کے بھیانک اندھیرے میں خاموشی سے خدا کی چوکھٹ پہ سر جھکانے چلا آیا ہے۔ کس لئے؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کے امن و سلامتی کے لئے، اسلام کی سربلندی کے لئے، ہاں ہاں! کیوں نہ آئے وہ تو خدا کا ایک نڈر سپاہی ہے جو قریہ قریہ، گاؤں گاؤں اپنے آقا کا پیغام پہنچا رہا ہے، بے باکی کے ساتھ، جرأت کے ساتھ۔

قاتلانہ منصوبہ

۱۹۳۲ء کا ذکر ہے کہ ایک رات مکرم محمد نور صاحب نے تہجد کے وقت حضور کو اطلاع دی کہ آج فجر کی نماز میں آپ پر قاتلانہ حملہ کا منصوبہ بنا ہے، لہٰذا حضور فجر کی نماز پڑھانے نہ جائیں۔ حضرت صاحب نے بڑے سکون سے یہ پیغام سنا اور کہا

"محمد نور! آج بیماری کی وجہ سے خیال تھا کہ شاید نماز پڑھانے نہ جا سکوں مگر اب ضرور آؤں گا"۔

مکرم محمد نور کہتے ہیں کہ حضور نماز پڑھانے آئے اور معمول سے زیادہ لمبی تلاوت کی۔ اس قدر سکون اور اطمینان چہرے سے ٹپک رہا تھا کہ جیسے ان کو علم ہی نہ تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔

یہاں دنیا والوں نے چیلنج دیا کہ ہم تمہیں ختم کر دیں گے مگر غیرتِ دینی نے اس چیلنج کو قبول کر لیا۔ خدا کے بندے بھی بھلا ان کھلونوں سے گھبرایا کرتے ہیں۔ سچ ہے: جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

آسمانی بادشاہت کے موسیقار

میں حضور کی ایک تاریخی تقریر کا آخری حصہ درج کر کے کتاب ختم کرتا ہوں:

اب خدا کی نوبت جوش میں آئی ہے اور تم کو، ہاں تم کو، ہاں تم کو خدا تعالیٰ نے پھر اس نوبت خانہ کی ضرب سپرد کی ہے:

اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو!
اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو!!
اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو!!!

ایک دفعہ پھر اس نوبت کو زور سے بجاؤ کہ دنیا کے کان پھٹ جائیں، ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اس قرنا میں بھر دو، ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اس قرنا میں بھر دو کہ عرش کے پائے لرز جائیں اور فرشتے بھی کانپ اٹھیں تاکہ تمہاری دردناک آوازیں، تمہارے نعرہ ہائے تکبیر اور نعرہ ہائے شہادت کی وجہ سے خدا زمین پر آجائے اور

پھر خدا کی بادشاہت اس زمین پر قائم ہو جائے، اس غرض کے لئے میں
نے تحریک جدید کو جاری کیا ہے اور اس غرض کے لئے تمہیں وقف
کی تعلیم دیتا ہوں۔ ادھر آؤ اور خدا کے سپاہیوں میں داخل ہو جاؤ
محمد رسول اللہ کا تخت آج مسیح نے چھینا ہوا ہے، تم نے مسیح سے
چھین کر پھر وہ تخت محمد رسول اللہ کو دینا ہے اور محمد رسول اللہ نے وہ تخت
خدا کے آگے پیش کرنا ہے اور خدا کی بادشاہت دنیا میں قائم ہونی ہے
پس میری سنو! میری بات کے پیچھے چلو! کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ
خدا کہہ رہا ہے۔ میری آواز نہیں، میں خدا کی آواز تم کو پہنچا رہا ہوں، تم
میری مانو!

خدا تمہارے ساتھ ہو، خدا تمہارے ساتھ ہو، خدا تمہارے
ساتھ ہو۔ تم دنیا میں بھی عزت پاؤ اور آخرت میں بھی عزت پاؤ"۔

(تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۵۳ء)
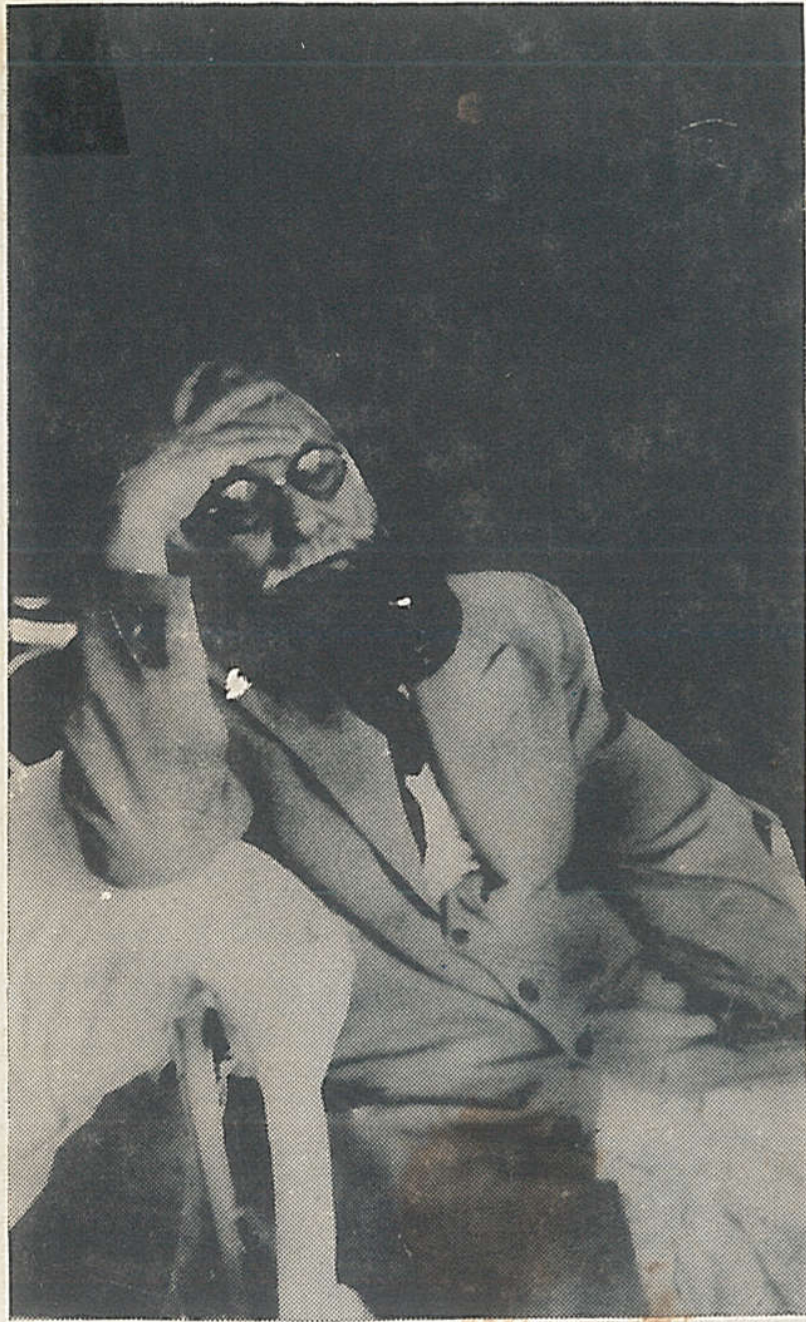
ہم تو جس طرح بنے کام کئے جاتے ہیں
آپ کے وقت میں یہ سلسلہ بدنام نہ ہو